فقہ حنفی
پر
اعتراضات کے جوابات

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

نام کتاب ---- فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات
مرتب ---- پیر جی سید مشتاق علی شاہ
تاریخ طبع اول ---- جولائی ۱۹۹۴ء
تاریخ طبع ثانی ---- جولائی ۲۰۰۹ء
تعداد ---- پانچ سو (۵۰۰)
قیمت ----
ناشر ---- پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ
مطبع ---- زاہد بشیر پرنٹنگ پریس لاہور

ملنے کا پتہ

۱......پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ
۲......مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
۳......کتب خانہ مجیدیہ ملتان
۴......کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
۵......مکتبہ اہل سنت چک ۸۷ جنوبی سرگودھا
۶......قدیمی کتب خانہ آرام بازار کراچی

Eman graphics : 0321-743 81 91

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مُقدمہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ !

برادرانِ اسلام ! فرقہ غیر مقلدین کی طرف سے آئے دن کوئی نہ کوئی کتاب یا پمفلٹ سیدنا امام اعظمؒ ، فقہ حنفی ، اکابرؒ اہل سنّت وجماعت حنفی ، تصوّف اور صوفیاء کرام اور آج کل سارا زور تبلیغی جماعت اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے خلاف لگایا جارہا ہے ۔ تبلیغی جماعت کے خلاف لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند یہ ہیں (۱) تبلیغی جماعت کا اسلام حصہ اوّل (۲) تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینہ میں ، (۳) تبلیغی نصاب قرآن وحدیث کی کسوٹی پر (۴) تبلیغی نصاب ایک مطالعہ ، (۵) دیوبندی گمراہ فرقہ ہے اس سے بچو ، (۶) تبلیغی جماعت اور توحید ، تصوّف اور صوفیاء کرام کے خلاف چند کتابوں کے نام یہ ہیں : شریعت وطریقت مولانا عبدالرحمٰن لاہور ، دین وتصوف از مولانا یحییٰ گوندلوی ، اہل توحید کے لیے لمحہ فکریہ ، اور رسالہ الدّعوۃ وغیرہ ، اس کے علاوہ دیوبندیت ، دیوبندی بریلوی اصل میں دونوں ایک ، عقائد علمائے دیوبند ، دیوبندیت کے خدوخال ۔ اس قسم کی کتابیں شائع کی جارہی ہیں ۔ ان سب میں جو مشترک بات ہے وہ یہ ہے اولیاء کرامؒ کی کرامات ، کشف ، الہام ، رویاءِ صالحہ کا انکار پایا جاتا ہے ۔ اور صحابہ کرامؓ ، تابعینؒ ، تبع تابعین ، ائمہ اربعہؒ اور حضرات اولیاء کرامؒ خاص کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ، معین الدین چشتیؒ ، نظام الدین اولیاءؒ ، حضرت علی ہجویریؒ ، مجدد الف ثانیؒ ،

امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر صوفیاء کرام کا نام لیکر انکی توہین کیگئی ہے اور بعض حضرات کی تو تکفیر بھی کی ہے اس جگہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ غیر مقلدین نے اب اپنا تبلیغ کا انداز بدلا ہے۔ اب یہ لوگ رفع یدین، آمین، فاتحہ خلف الامام وغیرہ مسائل چھوڑ چکے ہیں اور علماء دیوبند کے وہ واقعات جو کرامات، کشف، الہام، رویا صالحہ پر مبنی ہیں پیش کر رہے ہیں پہلے یہ کام بریلوی حضرات نے کیا تھا جب علماء دیوبند شریعت کی روشنی میں انکی تردید کرتے تھے تو وہ جواب میں علماء دیوبند کے بزرگوں کے واقعات پیش کرتے تھے جیسا کہ زلزلہ وغیرہ کتابوں میں موجود ہیں اب بریلوی کتب سے سرقہ کر کے غیر مقلدین نے لکھنے شروع کیے ہیں۔ دوسری طرف کیپٹن مسعود الدین عثمانی، کمال احمد عثمانی، جماعت المسلمین، حقیقی جماعت المسلمین، حقیقی حزب اللہ، فرقہ غامدی، منکرینِ حدیث (پرویزی) یہ سب وہ لوگ ہیں جو کرامات، کشف، الہام کے سرے ہی سے منکر ہیں اور آج کل کے غیر مقلدین بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ پہلے غیر مقلد علمائیں حضرت مولانا عبداللہ غزنویؒ، عبدالجبار غزنویؒ بارک اللہ لکھوی، محمد بن بارک اللہ لکھوی، عبداللہ روپڑی، ابراہیم سیالکوٹی، نواب صدیق حسن خاںؒ، وحید الزمان، قاضی سلمان منصورپوری وغیرہ کرامات، کشف، الہام، رویا صالحہ کو مانتے تھے بلکہ انکے اثبات میں کتابیں بھی لکھیں کراماتِ اہلحدیث، اثبات الہام والبیعت اس پر شاہد ہیں سوانح مولانا عبداللہ غزنوی جو عبدالجبار غزنوی اور مولانا غلام رسولؒ (قلعہ میاں سنگھ) نے لکھی ہے۔ یہ ایک ہی کتاب ایسی ہے جس میں کشف، الہام کے اتنے واقعات ہیں کہ کسی دیوبندی عالم کے اتنے نہیں ہونگے۔ اگر ہم بھی غیر مقلدین کی کتابوں میں سے وہ سب جمع کر دیں تو ایک بڑی کتاب تیار ہو سکتی تھی۔ زیر نظر کتاب آٹھ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ پہلے یہ سب کتابیں الگ الگ شائع ہو چکی ہیں اب ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دینِ حق کی سمجھ عطا فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین

تمت بالخیر

الجواب الکامل
فی
ازھاق الباطل

تالیف

مولانا امیر محمد میرٹھیؒ

ناشر

مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

سُبحانک لا علم لنا الّا ما علّمتنا انک انت العلیم الحکیم

بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح رائے ناظرین ہو کہ میرٹھ شہر میں چند دنوں سے ایک نیا فرقہ اہلِ اسلام میں سے نکلا ہے عام لوگ لامذہب کہتے ہیں اور اپنے سرگروہوں کو حق پرست جتاتے ہیں اور ماسوائے اپنے جس قدر اہل اسلام زمانۂ ائمہ کرام سے لے کر اس وقت تک ہوئے ہیں سب کو دین سے بے دین اور راہ سے بے راہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس زمانہ طول طویل میں جس کا اندازہ بارہ سو برس سے کم نہیں ہے۔ لکھوکھا علماء اور ہزارہا اولیا اور سینکڑوں غوث اور قطب ہوئے ہیں اور ان کے واسطہ در واسطہ علم دین چلا آیا ہے مگر ان کے گمانِ فاسد میں کسی کو آج تک ہدایت نصیب نہیں ہوئی ہے اگر ہوئی ہے تو اس دورِ آخر میں ان چند آدمیوں کو نصیب ہوئی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ دو کو یہاں اور چار کو وہاں، دس کو اس شہر میں بیس کو اس شہر میں باقی سب کے سب گمراہ اور بے دین رہے ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ اس خام خیالی سے تو خود حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جھوٹا بنانا ہے اور سراسر اس کے خلاف کہنا ہے۔ پھر اس پر دعوائے عمل بالحدیث کا کیوں کر ٹھیک ہوگا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بطور پیشین گوئی یوں ارشاد فرما گئے ہیں کہ ان اللہ لا یجمع اُمتی علی الضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار۔ یعنی اللہ تعالیٰ میری اُمت

کو گمراہی پر ہرگز جمع نہ کرے گا اور ہمیشہ خدا کی امداد جماعت ہی پر رہے گی اور
جو جماعت سے علیحدہ ہوا جہنم میں ڈالا جائے گا۔ سو بتلائیے کہ اگر یہ بات ٹھیک
ہو کہ اوّل سے لے کر اس وقت تک تمام جہان کے مسلمان گمراہی پر جمے رہے ہوں
اور صرف ان گنے چُنے آدمیوں کو اتباعِ حق نصیب ہوا ہو تو در پردہ یہ لوگ گویا
یوں کہہ رہے ہیں کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد جھوٹے فرما گئے ہیں اور یہ
افسانہ محض لا اصل سنا گئے ہیں۔ ادھر ارشادِ خداوندی مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ جس سے سراسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و
توصیف اور آپ کی دیانت و امانت ٹپکتی ہے لغو و بے کار ہو جائے گا اور پھر
خدائے پاک اور صاحبِ لولاکؐ دونوں کے ذمہ جھوٹ کا دھبہ عائد ہو جائے گا۔
اب بتلائیے کہ بعد خدا اور رسول کے اور کس سے حق گوئی کی توقع رکھی جائے اور
کس کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ بھلا جس مذہب کی بنیاد ایسے ایسے خراب
اصول پر ہو اس مذہب کا کیا ٹھکانا ہے۔ بالجملہ ایسے ایسے عقاید فاسدہ اس
فرقے نے تراش کر خلقِ خدا کو گمراہ کرنا شروع کیا اور سیدھے سادے مسلمانوں کو راہ سے
بے راہ کرنا اختیار کیا اور ائمہ دین خصوصاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ
اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر سب و شتم کی دھواں دھار برسائی شروع کی۔ اس
اثنا میں بعض بعض علماء حنفی المذہب یہاں تشریف لائے اور ان لوگوں کے مذہب
کی حقیقت مو شگاف کر دکھائی اور ان کی بہتان بندی اور افترا پردازی کا حال لوگوں
کو سُنایا جس کا یہ ثمرہ ہوا کہ جو لوگ اپنی سادہ لوحی سے ان کے ساتھ ہو گئے تھے
اس مذہب سے تائب ہُوئے اور حنفی المذہب پر قائم ہوئے اور جو لوگ متردّد
تھے اور مذہب کے بارے میں مذبذب تھے ان کے دل سے شبہات و تردّدات
دُور ہوئے۔ اس امر سے اس فرقہ کی حد سے زیادہ کساد بازاری ہُوئی اور مُدتوں

کا منصوبہ بندھا بندھایا مثلِ تارِ عنکبوت ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوا اور لوگوں کے پھانسنے
کی آئندہ کو توقع منقطع ہُوئی جب یہ خوف ان کو معلوم ہوا ہوا کہ کہیں رہے سہے لوگ
بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دیں اور کہیں رشتہ محبت بالکل نہ توڑ دیں تو ان کے آنسو پُونچھنے
کے لیے اور اپنی بات کی ہوا باندھنے کے لیے ایک اشتہار طبع کرایا اور اس میں بڑے
زور شور سے علماء مقلدین سے مناظرہ کی درخواست کی اور اس میں بہت کچھ پھکڑ بازی
اور بدتہذیبی کو کار فرمایا اور چند عمائدین شہر کی نسبت لکھا کہ ہم نے فلاں فلاں حضرات
کو اپنا پنچ مقرر کیا ہے۔ علماء حنفیہ بھی جن کو چاہیں اپنا پنچ مقرر کر لیں اور نواب
احمد اللہ خاں صاحب کی کوٹھی جنت نشان میں مناظرہ کر لیں اس پر مقلدین میرٹھ نے
ان کی بدتہذیبی سے قطع نظر کر کے بمقتضائے آیہ کریمہ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ
مَرُّوْا كِرَامًا۔ ایک اشتہار طبع کرایا۔ اس میں نہایت نرم لفظوں سے شائستگی
کے ساتھ ان کی درخواستِ مناظرہ کو بسر و چشم منظور کیا چونکہ وہ حضرات جن کو ان
لوگوں نے اپنا پنچ مقرر کیا تھا نہایت لائق اور فہمیدہ اور معزز روسا تھے اس لیے اہلِ
شہر نے بھی ان ہی حضرات کو اپنا پنچ مقرر رکھا اور لکھ دیا کہ ہم کو آپ کی جملہ شرائط منظور
ہیں۔ حکام ضلع سے درخواست انتظام کر کے جہاں چاہو بلا لیجیے اور مسائل خلافیہ
میں گفتگو کر لیجیے جب غیر مقلدین نے دیکھا کہ اہلِ شہر تو دل و جان سے مناظرہ پر آمادہ
ہو گئے تو اپنے مولویوں سے مناظرہ کی درخواست چاہی اس پر کسی نے کچھ عذر کیا کسی
نے کچھ بہانہ لیا غرض کوئی مجمع میں مناظرہ کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور وقت پر کورا جواب دیا
سو جب ان لوگوں نے اپنے معتمد علیہم کی یہ کیفیت دیکھی تو یہ تدبیر سوچی کہ اپنے ذمّہ
سے بار بوجھ مناظرہ کا اُتاریں اور کسی طرح اہلِ شہر کے ذمہ ڈال دیں اس بنا پر ایک
دوسرا اشتہار طبع کرایا اور اس میں ظاہر کیا کہ ہم کو مناظرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں
ہے ہاں اگر اہلِ شہر حکام ضلع سے اجازت مناظرہ حاصل کر لیں تو ہم کو کچھ انکار بھی نہیں

ہوگا۔ ناظرینِ ہر دو اشتہار خوب جانتے ہیں کہ اوّل اشتہار میں تو کس طرح مناظرہ کے لیے اہلِ شہر کی ہمتیں بندھائی جاتی تھیں اور پھر دوسرے اشتہار میں کس طور اپنے ذمہ سے بات ٹالی ہے اوّل اوّل تو یہ شوراشوری اور پھر یہ بے نمکی۔ اس دوسرے اشتہار سے اہلِ شہر پر خوب ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کی درخواستِ مناظرہ مثل آوازِ طبل ایک بے معنی آواز ہے۔ نظر بریں ان کا تعاقب کرنا قرینِ مصلحت نہ سمجھا اہلِ شہر کی جانب سے نہ اوّلاً درخواست تھی نہ ثانیاً۔ البتہ ان لوگوں کی درخواست کو بسر و چشم منظور کیا تھا سو وہ خود ہی اس سے گریز کر گئے۔

الغرض جب علماءِ حق کے کفش برداروں نے شہر میں مختلف جگہ پر وعظ و پند شروع کیا تو بہت سے لوگ ان کے جال سے نکل بھاگے اور سیدھی راہ پر چلنے لگے اور ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر آنے لگے جب ان کی کوئی تدبیر کام نہ آئی اور سب کام قابو سے باہر ہوا تو حسبِ عادت قدیمہ بہتان بندی اور افتراء پردازی کو کارفرما کر ایک اشتہار طبع کرایا جس میں چند مسائل طبع زاد لکھ کر کتبِ فقہ کے ذمہ لگایا اور نقل عبارت میں قطع برید کو کارفرمایا کہیں اوّل کی عبارت فروگزاشت کی اور کہیں آخر کی عبارت حذف کی اور پھر اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ بعض جملوں کا ترجمہ بھی سراسر غلط کیا اور عوام پر ظاہر کیا کہ فقہ کی کتابوں میں ایسے ایسے گندے مسائل ہیں تاکہ شاید اسی بہانہ لوگ ان کتابوں سے بدظن ہو جاویں۔ لیکن ہر ذی عقل پر خوب روشن ہے کہ آفتاب پر خاک ڈالنے سے آفتاب کا کوئی نقصان نہیں ہے پر خاک ڈالنے والے کی حقیقت سب پر عیاں ہو جاتی ہے اور اس کی حماقت و بلاہت نمایاں ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ بروئے عقل ایسی خرافات و مزخرافات کا جواب دینا بھی لاحاصل تھا مگر جب بعض بعض حضرات کے دلوں میں ان شبہات نے کسی قدر گنجائش پائی اور اصل حقیقت ان کے فہم میں نہ آئی تو کسی کسی کی تو زبانی طور سے

تشفّی کی گئی مگر پھر خیال آیا کہ اگر ان تمام شبہات کا جواب کتب فقہ سے لکھ کر مشتہر کرایا جائے تو عین مصلحت ہے۔ اس ذریعہ سے اہلِ شہر کی بھی عام طور سے تشفی ممکن ہے اور نیز جہاں جہاں یہ لوگ عام مسلمانوں کو بہکاتے پھرتے ہیں اور ان کے دلوں میں شبہ ڈالتے پھرتے ہیں یہ تحریر کارآمد ہوگی اس لیے بنامِ خدا قلم اٹھایا اور جوابات کا دھیان دل میں جمایا اور خدائے پاک سے دُعا مانگی کہ توفیقِ صواب عطا فرمائے اور جوابِ ناصواب سے مجھ کو بچائے۔

واضح ہو کہ ہر جواب کے اوّل بجنسہٖ عبارت اعتراض جو غیر مقلدین نے درج اشتہار کی ہے لکھی جائے گی۔ پھر لفظ الجواب سے اس کا جواب دیا جائے گا۔

پہلا اعتراض

شرح وقایہ چھاپہ نولکشوری کے صـ۲۹۸ کے حاشیہ میں لکھا ہے: ان ما اخذته الزانية ان كان بعقد الاجارة فحلال عند الاعظم۔ (ترجمہ) یعنی ’’تحقیق زنا کرانے والی عورت اگر خرچی مقرر کرکے زنا کراوے تو وہ مال امام اعظمؒ کے نزدیک حلال ہے۔‘‘

الجواب

ان مدعیانِ عمل بالحدیث کا شیوہ اور طریقہ ہے کہ اپنے مذہب کے رواج دینے کو جھوٹ بول دیا کرتے ہیں۔ بہتان بندی اور جعلسازی سے کام لیا کرتے ہیں اور دیدۂ انصاف بند کرکے جو چاہیں سو کیا کرتے ہیں سو اسی عادتِ قدیمہ کے موافق نقل عبارت مذکورہ اور اس کے ترجمہ میں عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے تصرف کیا ہے۔ سو دیکھ لیجئے کہ نہ اشتہار میں یہ لکھا کہ یہ حاشیہ کو نسے باب کے مسائل کا حاشیہ ہے اور نہ اس عبارت سے اگلی پچھلی عبارت لکھی اور پھر اس پر بھی اکتفاء نہ کیا بلکہ ترجمہ بھی سراسر غلط کیا تاکہ عوام کے خیال میں یہ بات جم جائے کہ جب ان لوگوں نے اس اہتمام سے یہ مسائل درج اشتہار کیے ہیں کہ کتابوں کے صفحات بھی لکھ دیئے اور عبارت بھی نقل کردی اور ترجمہ بھی صاف صاف

کر کے لکھ دیا تو واقعی یہ مسائل ان کتابوں میں اسی طرح ہوں گے ورنہ ایسا بھی کیا
تھا کہ اس طرح سے یا کانہ لکھ دیتے اور سمجھا کہ شاید اسی تدبیر سے مذہب حنفی کی
توقیر لوگوں کے دلوں سے اُٹھ جائے اور ہر ایک کی طبیعت اس کی حقانیت
کی جانب سے ہٹ جائے مگر ان حضرات نے یہ خیال نہ کیا کہ خداوند کریم نے
ان مذاہبِ اربعہ کو خصوصاً مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو وہ مقبولیت عنایت فرمائی
ہے کہ اس قدر زمانہ دُور دراز سے اس وقت تک بہ آب و تاب چلے آئے ہیں اور
انشاء اللہ تعالیٰ اسی حیثیت سے قیامت تک جاری رہیں گے نہ کسی متعصب کو
آج تک اس قدر حوصلہ ہوا کہ ان مذاہبِ مقبولہ کو ملیٹ میٹ کرے اور نہ آئندہ
کسی سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ امر ہو سکے۔ پہلے بھی بہت سے سگانِ مردم صورت
نے محض اپنی دنارت و سفاہت سے عوعو کر کے ان مذاہبِ مقبولہ کا پیچھا کیا تھا
اور پھر آخر کار چپ ہو کر بیٹھ رہے۔ سو ایسے ہی آج کل کی شورش کو خیال کیجیے۔ یہ
کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس اشتہار کا شائع ہونا اور زیادہ تر باعث فروغ مذہب
حنفی ہوا اور ان لوگوں کے ظہور دروغ گوئی کا پورا پورا سامان بنا۔ دیکھیے تو سہی کہ
اب کس طرح وعدہ الٰہی الحق یعلو ولا یعلیٰ ظہور کرتا ہے اور مضمون جَاءَ
الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ فروغ پکڑتا ہے قبل اس کے کہ اصل مسئلہ کی صورت
بیان کی جائے اور اہلِ اشتہار کی غلطی عیاں کی جائے چند اُمور قابلِ گزارش معلوم ہوتے
ہیں۔ ناظرینِ جواب اوّلاً ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں:

اجارہ عربی زبان میں اُجرت کے معاملہ کو کہتے ہیں۔ شریعت میں اس کی
تین اقسام ہیں۔ اوّل اجارہ صحیحہ، دوم اجارہ فاسدہ، سوم اجارہ باطلہ ان تینوں
اقسام کی تعریف جو آگے لکھی جاتی ہے خوب یاد رکھنی چاہیئے کیونکہ اس مسئلہ کا جواب
ان اقسامِ سہ گانہ کی تعریف یاد رکھنے پر موقوف ہے۔

سو اوّل قسم سے وہ معاملۂ اجرت مراد ہے کہ جس میں اصل کام جس کے
عوض اجرت دی جاتی ہے شرعاً جائز و درست ہو اور کوئی وجہ ناجائز مثل شرط وغیرہ
کے بھی اس معاملہ کے ساتھ اوپر سے نہ لگی ہے مثلاً کسی کو کھانا پکانے پر نوکر رکھنا
یا نوشت و خواند کے لیے کسی کو مامور کرنا اور کار کی تعیین اور وقت روزانہ کی تعیین اور
اجرت کا پوری طرح سے تقرر کر دینا اور پھر کسی شرط خارجی کا اس کے ساتھ نہ لگانا سو
ایسا معاملہ شرعاً و عقلاً ہر طرح سے جائز ہو گا نہ اس میں کوئی ذاتی خرابی ہے اور نہ
شرط وغیرہ کی وجہ سے کوئی بیرونی خرابی ہے اس لیے کارِ معلوم کے انجام دینے پر
اُجرت مقررہ نوکر کو دی جائیگی۔

قسمِ دوم یعنی اجارہ فاسدہ سے یہ مُراد ہے کہ اصل کام تو اس معاملہ میں شرعاً
درست اور مباح ہو پر اور کسی شرط وغیرہ کی وجہ سے اس معاملہ کی ممانعت کی گئی ہو علم
ہے کہ وہ شرط فی نفسہٖ امر مباح ہو یا امر حرام دونوں صورتوں میں اصل معاملہ فاسد ہو جائے
گا۔ مثلاً کسی کو حفاظت مکان پر بتعین اوقات تنخواہ معلومہ پر نوکر رکھنا اور پھر کوئی بالائے
شرط اس طرح سے کر لینا کہ گاہ و بے گاہ کھانا بھی پکا دیا کرنا یا چوسر و گنجفہ میرے ساتھ
کھیلا کرنا ان دونوں صورتوں میں معاملہ حفاظت مکان کا ناجائز ہو جائے گا یہ نہیں کہ
چوسر وغیرہ کی شرط کرنے سے تو بوجہ حُرمت ان اشیاء کی اصل معاملہ ناجائز ہو اور کھانا
پکانے وغیرہ کی شرط سے۔ چونکہ یہ اُمور جائز ہیں اصل معاملہ بدستور صحیح رہے نہیں،
بلکہ شرط خواہ مباح ہو یا حرام دونوں کے دونوں اصل معاملہ کو ناجائز کر دیتے ہیں۔
سو اگر کسی عالم سے اس قسم کے اجارہ کا استفتاء کیا جاوے تو اس کو لازم ہے کہ عدم جواز
کا فتویٰ دیوے اور اگر حاکم اسلام تک اس معاملہ کی نوبت پہنچی تو اس معاملہ کو فسخ
کرا دے اور از سر نو معاملہ کرا دیوے لیکن اگر کسی نے ایسی شرائط کے ساتھ اُجرت
کا معاملہ کیا اور نوکر سے وہ کام لے لیا اور عالم یا حاکم سے پوچھنے کا اتفاق نہ ہو اور

پھر مسئلہ کی چھان بین کا اتفاق پڑا تو حکمِ شریعت غرّا یوں ہے کہ اصل اُجرت مقررہ
کا کچھ اعتبار نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ گویا بلا تعین مزدوری کام لیا ہے اس لیے جو مزدوری
اس جیسے کام کی اس شہر میں مروّج ہو حسب تفصیل کتبِ فقہ مزدور کو دِلوادیں۔ اس
مزدوری کو اصطلاح شریعت میں اجر المثل کہتے ہیں اور جو مزدوری اوّل سے مقرر
ہو اس کو اجر معین بولتے ہیں۔

قسم سوم یعنی اجارہ باطلہ اسکو کہتے ہیں کہ جس میں اصل کام ہی شرعاً حرام و
ممنوع ہو مثلاً شراب بنانے یا تصویر کھینچنے یا بتوں کے تراشنے پر کسی کو نوکر رکھنا یا
ماتم و نوحہ کرنے یا ستار سارنگی بجانے یا زنا کرنے کرانے یا باجے گاجے سکھانے پر
کسی کو نوکر رکھنا یہ سب مزدوریاں شرعاً حرام ہیں نہ ایسی اجرت کا دینا جائز نہ لینا جائز
بلکہ اور الٹا دین دنیا کا خسران ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور جس قدر معصیتیں ہیں ان کا
بھی یہ ہی حال ہے۔

جب یہ چند امور ذہن نشین ہو چکے تو اصل مطلب کا حال سُنیے: ۔صورت مسئلہ
درحقیقت کیا تھی پر ان دشمنانِ دین و دانش نے اس میں کیا کیا اختراع کیا ہے ؟

واضح ہو کہ اصل مسئلہ یوں ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت کو کسی امر مباح مثلاً
کھانا پکانے یا بچے کے دودھ پلانے کے لیے بہ تنخواہ معین نوکر رکھا اور بعد پورا ہو
جانے معاملہ کے ایک شرط بالائے فعلِ حرام کی اس سے کرلی ہو اور پھر کھانا پکانے
وغیرہ کا کام اس سے لیا گیا ہو تو اس صورت میں تین امر قابل استفسار ہیں :

اوّل یہ کہ بوجہ شرط کرلینے فعل حرام کے اصل معاملہ کا کیا حکم ہے ؟ آیا وہ اجارہ
صحیحہ ہے یا اجارہ باطلہ ؟

دوم یہ کہ اگر کبھی اس شرطِ پر عمل درآمد نہ ہوا ہو اور عورت مذکورہ نے اصل نوکری
مثل کھانا پکانے وغیرہ کا کام سرانجام دیا ہو تو اس کھانا پکانے وغیرہ کی اُجرت

اس کو دی جائے گی یا بوجہ شرط کرلینے حرام کے وہ اجرت بھی سوخت ہو جائیگی۔

سوم یہ کہ اگر وہ عورت کارِ نوکری بھی بجالائے ہو اور اس شرط ناجائز پر بھی عملدرآمد
کیا کرایا ہو تو اُجرت نوکری کا کیا حکم ہے دینی چاہیئے یا نہیں ؟ اور بوجہ مرتکب ہونے
فعل زنا کے ان دونوں کا کیا حکم ہے ؟ سو امر اوّل کا یہ جواب ہے کہ معاملۂ اُجرت
کسی امر زائد کے شرط کرلینے سے فاسد ہو جایا کرتا ہے خواہ وہ امر زائد فی نفسہ جائز و
مباح ہو یا حرام و ممنوع ہو جس حالت میں امر مباح کی شرط سے بھی معاملہ صحیحہ فاسد ہو
جاتا ہے تو اس صورت میں چونکہ وہ شرط خود ہی حرام و ممنوع ہے تو وہ معاملہ بدرجہ اولیٰ
فاسد ہوگا۔ ایسے معاملہ کو نہ صحیح کہ سکتے ہیں اور نہ باطل کیونکہ صحیح معاملہ کی تعریف
میں داخل ہے کہ وہ اصل سے بھی صحیح ہو اور کوئی شرط بھی اس کے ساتھ نہ کی گئی ہو
سو اس صورتِ خاص میں شرط موجود ہے اور وہ بھی کیسی حرام معصیّت اور اجارہ باطلہ
اس وجہ سے نہیں کہ سکتے ہیں کہ اُس میں اصل کام ہی سرے سے حرام معصیّت
ہوا کرتا ہے اور یہاں نوکری کا اصل کام کھانا پکانا، دودھ پلانا وغیرہ ہے جو ہر طرح
سے شرعاً مباح ہے ہاں البتہ شرط معلوم حرام ہے سو ایسے ہی اجارہ کو جو اصل سے
حلال ہو پر اور کسی طرح کی شرط اس کے ساتھ کرلی گئی ہو اجارہ فاسدہ رکھتے ہیں۔

اور امر دوم کا یہ جواب ہے کہ گو اس شرط حرام پر طرفین کا کبھی عمل درآمد نہ ہوا
پر چونکہ اوّل شرط کرلی تھی لہٰذا وہ معاملہ فاسد ہو گیا سو اگر عورت معلومہ کھانا پکانے
وغیرہ کا کام انجام دیوے تو تنخواہِ مقررہ کا کچھ اعتبار نہ ہوگا مگر اجر المثل واجب ہوگا چنانچہ
اس کی کسی قدر تفصیل اوپر جا چکی ہے وہاں دیکھ لینا چاہیئے۔

اور تیسرے امر کا یہ جواب ہے کہ اصل کام کے عوض میں اجر المثل حسبِ تفصیل
فقہ دینا چاہیئے اور زنا کی سزا جو کچھ شریعت میں مقرر ہے اوران دونوں پر جاری
کرنا چاہیئے تفصیل اس کی اپنے موقع پر پورے طور سے مشرح ہے اس کے بعد

ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ چونکہ اس مسئلہ خاص میں پہلے دو امر
یعنی ایسے معاملہ کا اجارہ فاسدہ ہونا اور کام پورا کرنے پر اجر المثل کا دلایا جانا اجارہ
فاسدہ کے باب سے متعلق تھے اور تیسرا امر یعنی حد زنا کا جاری ہونا باب حد
الزنا کے متعلق تھا اس لیے پہلے دو امر تو اجارہ فاسد کے باب میں مذکور ہوئے
اور تیسرا امر حد زنا کے باب میں مذکور ہوا اب غیر مقلدین کی سفاہت و بلادت قابلِ
دید ہے کہ بے سوچے سمجھے کچھ سے کچھ کہنے لگے اور عام لوگوں کو طرح طرح سے
بھکانے لگے اور صریح بہتان حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگایا کہ انکے
نزدیک زنا کی خرچی درست ہے حالانکہ زنا کی خرچی خواہ اوّل ٹھہرا کر لی جائے یا بلا ٹھہرائے
لی جاوے باتفاق امّت حرام و معصیت ہے تو امام اعظم کے نزدیک جو تقویٰ و طہارت
میں اوروں سے نمبر اوّل ہیں کیوں کر جائز ہو سکتی ہے۔ بالجملہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
نے اس مسئلہ میں ایسی فقاہت و درایت کو کام فرمایا ہے کہ گویا دودھ میں پانی جدا کر دکھلایا
ہے یعنی جب صورت خاص میں اصل معاملہ تو درست ہے پر اوپر کی شرط نادرست ہے
تو دونوں امر کا لحاظ ضروری ہے اصلی کام کے سرانجام دینے پر اس کی مزدوری ملنی چاہیئے
اور زنا کی سزا جو کچھ ہو پہنچنی چاہیئے بڑی ناانصافی ہے کہ بُرے کام کی شرط کر لینے سے
اچھے کام کی مزدوری بھی سوخت ہو جائے اگر ایک شخص بارادہ نماز مسجد میں آیا اور نماز
ادا کی اور چلتے وقت کسی کا کپڑا وغیرہ چُرا لیا تو بالضرور نماز کا ثواب اس کے نامہ اعمال
میں لکھا جائے گا اور نیز چوری کا عذاب بھی ثبت کیا جاوے گا پر یہ نہ ہو گا کہ چوری
کی وجہ سے نماز کا ثواب بھی جاتا رہے۔ سو امام صاحب کے نزدیک بھی اس
مسئلہ کا ایسا ہی قصہ ہے۔ امر مباح کی اجرت کو وہ مباح و حلال کہتے ہیں اور شرطِ
زنا کو حرام بتاتے ہیں اور اس کی اجرت کو خواہ کسی طرح ہو ممنوع فرماتے ہیں۔ اب
عبارت مندرجہ اشتہار کی شرح کس قدر قابلِ اظہار ہے۔ یہ عبارت واقعی علامہ

چلپی کی ہے اور شرح وقایہ کے حاشیہ پر منقول ہے اور اجارہ فاسدہ کے ایک مسئلہ کا
حاشیہ ہے اور اسی طرح رد المحتار جلد ثالث میں اجارہ فاسدہ کے بیان میں مذکور ہے
جائے تعجب ہے کہ یہ لوگ جب علماء کی عبارت سمجھنے سے بھی قاصر ہیں تو رسول
اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کیونکر سمجھتے ہوں گے حالانکہ آپ کو جوامع الکلم
عنایت فرمائے گئے ہیں۔ سنیئے کہ شرح وقایہ میں ہے فیھا اجر المثل یعنی
اجارہ فاسد میں مزدوری مقرر نہیں دی جاتی ہے بلکہ اجر المثل واجب ہوتا ہے۔
اس قول پر علامہ چلپی نے محیط سے نقل کر کے اس طور سے حاشیہ لکھا ای یجب
اجرہ حتی ان ما اخذتہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارہ فحلال
عند الاعظم لان اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب وان کان
السبب حراما وحرام عندھما۔

اس میں غیر مقلدین نے چند غلطیاں کھائی ہیں ان کا لکھنا ضروری ہے۔ پر جو
لوگ صرف و نحو میں تھوڑی سی بھی استعداد رکھتے ہوں گے بلا تکلف اس کو سمجھ لیں گے
اور جو لوگ اس فن سے ناواقف ہوں گے وہ اپنی تسلی کسی مولوی یا طالب علم سے
کر لیں گے اوّل تو یہ کہ غیر مقلدین نے ضمیر (ان کان بعقد الاجارۃ) کے لفظ
(ما) کی جانب پھیری ہے۔ دوم یہ کہ با اجارہ (بعقد الاجارۃ) کو سببیہ سمجھ بیٹھے ہیں
سوم یہ کہ الاجارۃ کو جو (بعقد الاجارۃ) میں واقع ہے زنا کے اجارہ پر حمل کرتے ہیں
حالانکہ یہ تینوں امر غلط ہیں بلکہ ضمیر (ان کان) کی زنا کی طرف راجع ہے جو لفظ الزانیۃ
سے مفہوم ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" اور
یہی اسم کان کا ہے اور با اجارہ بعقد الاجارۃ میں بمعنی سبب نہیں بلکہ بمعنی تلبس
ہے۔ یعنی متلبسًا بعقد الاجارۃ پھر چونکہ متلبسًا صیغہ صفت ہے لامحالہ
اس کے لیے کوئی موصوف چاہیئے سو وہ لفظ شرطًا ہے اور لفظ الاجارہ

سے اجارۂ زنا مراد نہیں بلکہ بقرینۂ اطلاق اجارہ صحیحہ مراد ہے جب یہ بات ذہن نشین ہوئی تو تقدیر عبارت یوں ہوگی "حتی ان ما ای اجر المثل الذی اخذ تہ الزانیۃ ان کان ای الزنا شرطا متلبسا بعقد الاجارۃ ای الصحیحۃ فھو ای ما اخذ تہ حلال عند الاعظم لان اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب وان کان السبب حراما وحرام عندھما" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زنا کرانے والی کا لینا اگر اس طرح سے ہوا کہ فعلِ زنا کسی جائز نوکری کے ساتھ شرط کر دیا گیا تھا تو جائز نوکری کے عوض اجر المثل لینا اس کو حلال ہے اگرچہ ایسے معاملہ کا کرنا حرام ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ مال حرام ہے ان کے نزدیک حرمت کی وجہ یہ ہے کہ فعل زنا کو داخل معاملہ خیال کرتے ہیں اور اجرت کو دونوں کام کی مزدوری تصور کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ صورت مرقومہ بالا میں یہ شرط داخلِ معاملہ نہیں ہے بلکہ شرط زائد خارج عقد ہے بناءً علیہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ میں کوئی نزاع حقیقی نہیں بلکہ نزاع لفظی ہے درحقیقت سب کا ایک ہی مذہب ہے یعنی فعل زنا اگر معاملہ میں داخل مانا جائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک بھی مثل مذہبِ صاحبین وہ اجرت حرام ہوگی اور اگر خارج مانا جائے تو لاریب صاحبین کے نزدیک بھی مثل امام اعظمؒ امر مباح کی اجرت مباح ہے۔ بالجملہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ امر مباح کی اجرت کو حلال فرماتے ہیں نہ اجرت زنا کو۔ پھر کیسی بڑی خیانت ہے کہ عبارت کے معنی کچھ ہوں اور لکھیں کچھ۔ یہ سب ان لوگوں کی لاعلمی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ عبارت سے معنی نہیں سمجھ سکتے اور خواہ مخواہ ان مسائل کو اپنی گندی سمجھ سے گندے بتاتے ہیں اب ایک اور خیانت ان لوگوں کی قابل خیال ہے وہ یہ ہے کہ اس عبارت کے آگے کا جملہ جس میں صراحۃً زنا کی خرچی حرام وممنوع لکھی ہوئی ہے بالکل حذف کیا اور پہلی عبارت کے ترجمہ میں تصرف کرکے زنا

کی خرچی سے تعبیر کیا حالانکہ وہ کسی امر مباح کی اجرت ہے نہ کہ فعلِ زنا کی اور پھر خواہ مخواہ عوام کے بہکانے کے لیے حنفی مذہب کے ذمہ اتہام لگایا اور ذرا خدا سے نہ شرمائے کہ ہم کیا کہ رہے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ وہ عبارت بھی نقل کی جائے اور اس کا ترجمہ لکھا جائے۔ عبارت اس کی اس طرح سے ہے: وان کان بغیر عقد الاجارۃ فحرام اتفاقا۔ لانھا اخذ تہ بغیر حق۔ یعنی اگر فعلِ زنا کسی معاملہ صحیحہ کے ساتھ شرط منضم نہ تھا بلکہ خود زنا ہی کے عوض کچھ لیا لوایا ہے تو مال باتفاق علماء کرام حرام ہے کیونکہ اس عورت نے یہ مال کسی حق جائز کے بدلے نہیں لیا ہے بلکہ معصیّت کے عوض لیا ہے اور ظاہر ہے کہ عرف میں اسی مال کو زنا کی خرچی کہتے ہیں نہ اور کسی کام کی اجرت کو، سو اس کو باتفاق علماء کرام حرام لکھا ہے اب بتلائیے کہ امام اعظمؒ نے اس مسئلہ میں کیا خلافِ شرع کیا ہے جس کے صلہ میں یہ سفہاء ان کو لعن وطعن سے یاد کرتے ہیں۔ بالجملہ اس مسئلہ کا اجارۂ فاسدہ میں لکھنا اور پھر اس کی دلیل اس طرح سے بیان کرنا۔ لان اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب دلیل روشن ہے اس امر کی کہ اس مال کا حلال ہونا کسی امر مباح کے عوض ہے نہ زنا کے عوض میں اگر زنا کی اجرت اس کو قرار دے حلت کا حکم دیا جائے جیسا کہ ان لوگوں کا خیالِ خام ہے تو چند خرابیاں لازم آتی ہیں:

اوّل تو یہ کہ اس کو اجارہ فاسدہ میں لکھنا نہیں چاہیئے بلکہ اجارہ باطلہ میں بیان کرنا چاہیئے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس اجارہ فاسدہ ہی میں لکھا ہے۔

دوم یہ کہ دلیل مسئلہ اعنی لان اجر المثل ... الخ اس مسئلہ پر چسپاں نہ ہوگی کیونکہ خلاصہ دلیل یہ ہے کہ اس صورت مرقومہ میں اجارہ صحیحہ فاسد ہو گیا تو اجرُ المثل جائز رہے گا سو جس صورت میں خود زنا ہی کا معاملہ ہے تو اجارہ فاسدہ کہاں ہوگا بلکہ بوجہ معصیت کے اجارہ باطلہ ہوگا اور ظاہر کہ اس میں ہرگز مزدوری واجب

نہیں ہوتی ہے جیساکہ ردمختار میں ہے: بخلاف الثانی وھو الباطل فانہ لا اجر فیھا بالاستعمال ۔

سوم یہ کہ جب تمام کتب فقہ میں گانے بجانے یا اور لہو ولعب کی مزدوریوں کو حرام قطعی لکھیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ زنا کی مزدوری کو جائز وحلال بتلاویں چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے: ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح وکذا سایر الملاھی لانہ استیجار علی المعصیۃ والمعصیۃ لا تستحق بالعقد ۔ یعنی گانے اور نوحہ کرنے پر اور ایسے ہی اور لہو ولعب کام پر نوکر رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ معصیت پر نوکر رکھنا ہے اور معصیت معاملہ سے جائز نہیں ہوجاتی ہے اس کے بعد ہر انصاف پسند غور کرسکتا ہے کہ جس امام کے نزدیک گانا بجانا جو اکثر زنا کا ذریعہ ہوجایا کرتا ہے خود حرام ہو اور اس کی اجرت بھی لینی حرام ہو تو اس کے نزدیک زنا کی اجرت کیسے حلال ہوسکتی ہے یہ صرف ان لوگوں کا اتہام ہی اتہام ہے مردعاقل کو یہی بس ہے ۔ اب دوسرے اعتراض کا جواب لکھتا ہوں فقط

دوسرا اعتراض

کفایہ میں ہے: ان اراد تسکین مابہ من الشھوۃ ارجو ان لا یکون علیہ وبال ۔ یعنی شہوت کی تسکین کے واسطے جلق کرے تو کچھ حرج نہیں اور ردالمحتار میں ہے کہ شہوت کے غلبہ کا خوف ہو تو مٹھولے مارنے واجب ہیں۔

الجواب

اے مدعیان عمل بالحدیث کبھی تو خدائے پاک سے شرمایا کرو، اور کہیں تو بھول چوک کر عبارت کا صحیح ترجمہ لکھ دیا کرو اور کچھ تو اپنے دعوی عمل بالحدیث کا پاس کیا کرو۔ کیا سارے جہان کی افتراپردازی آپ ہی کے حصہ میں آگئی ہے؟ کیا عمل بالحدیث بہتان بندی ہی کا نام ہے۔ اے مسلمانان منصف مزاج دیکھو ان لوگوں نے دیدہ ودانستہ کیسی حق پوشی کی ہے اور کیسا غلط

ترجمہ کیا ہے ایک کتاب کی عبارت نقل کی اس کا ترجمہ صریح غلط کیا دوسری کتاب کی عبارت نقل نہیں کی پر زبانی ہی مسئلہ نقل کیا لیکن یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہیں کہ غلبہ شہوت میں اس فعل شنیع کا ارتکاب واجب ہے ۔ یہ مسئلہ ان لوگوں کا طبع زاد ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی عبارت نقل نہیں کی ہے خیر یہ لوگ تو اپنے مذہب کی پاسداری میں حق وناحق سے قطع نظر کرلیا کرتے ہیں پر ہم یہ مسئلہ واقعی طور سے بیان کرتے ہیں تاکہ عوام وخواص پر ظاہر ہوجائے کہ ان لوگوں نے کیسی کچھ تحریف وتبدیل کی عادت کر رکھی ہے ۔ کتب فقہ میں لکھا ہوا موجود ہے کہ لذت حاصل کرنے کے لیے اخراج منی حرام و معصیت ہے اگر حاکم اسلام کو معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص ایسی بلائے شنیع میں مبتلا ہے تو اس کا فرض منصبی ہے کہ اس کو تعزیر وسزا دیوے اور ہرگز اس میں چشم پوشی نہ کرے اگر میرا قول باور نہ سمجھا جائے تو درمختار کو ملاحظہ فرمائیے ۔ باب حدود میں یہ عبارت موجود ہے: والاستمناء حرام وفیہ التعزیر یعنی ہاتھ سے منی نکالنا حرام ہے اور مرتکب اس فعل زبوں کا اس جرم میں تعزیر وسزا دیا جائے گا سو دیکھ لیجیے کہ کیسے شد ومد کے ساتھ اس فعل قبیح کی حرمت کتب فقہ میں مذکور ہے پھر کس وجہ سے یہ لوگ اس مذہب مقبول پر طعن وتشنیع کی بوچھاڑ برساتے ہیں۔

خیر جب اس فعل کی حرمت ہم اپنی کتابوں سے صاف طور سے دکھا چکے تو اب اس عبارت کا حال جو درج اشتہار ہے ملاحظہ فرمائیے:

پہلے لکھ چکا ہوں کہ ان لوگوں نے حسب عادت قدیمہ اس کے ترجمہ میں تصرف کیا ہے سو ہم اس کو واضح طور سے ہی بیان کرتے ہیں ۔ ردالمحتار شرح درالمختار سے اس مسئلہ کا خلاصہ بیان کرکے اس کی عبارت بجنسہ ملاحظہ ناظرین سے گزرے گی جو فتاوی قاضی خاں کی عبارت سے مطابق وموافق ہے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی جوان صالح صاحب تقوی وطہارت بعالم شباب تجردی کی حالت میں ہو اور نعمت نکاح

سے ابھی تک فائز نہ ہوا ہو یا نکاح ہو چکا ہو پر کسی وجہ خاص سے بیوی تک پہنچنا
ممکن نہ ہو اور شہوت کی شدّت و حدّت کی یہ نوبت ہو کہ حد سے تجاوز کر گئی ہو مگر
اس پر بھی بمقتضائے حدیثِ نبوی شباب نشاء فی عبادت اللہ۔ عبادت خدا
اور تلاوتِ قرآن اور دیگر اوراد و وظائف میں لگا ہوا ہو اور ان نیک کاموں کا حد
سے زیادہ شائق ہو پر غلبۂ شہوت اُن میں دل لگنے نہ دیتا ہو اس پر وہ اپنی کمی ضبط
سے اخراج منی کر دے اور دل میں اس فعل کو حرام سمجھے اور اس کو عبادت کے
لیے ذریعہ فارغ دلی سمجھے اور تحصیل لذّت اس کی غرض نہ جانے تاہم یہ فعل شرعاً
ممنوع ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں مواخذہ نہیں ہے پر بمقتضائے اِنَّمَا
الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ چونکہ اس فعل سے تحصیل لذّت مدّ نظر نہیں بلکہ تحصیلِ
فارغ دلی منظور ہے جو عبادت کا جزو اعلیٰ ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے امّید
ہے کہ اس گناہ کو معاف کرے اور وبال و نکال سے بچائے اور چونکہ اس نے
اس فعل کو معترف بہ گناہ ہو کر اپنی غلطی اجتہاد سے فارغ دلی عبادت کے لیے
کیا ہے سو امّید ہے کہ خداوند کریم بمقتضائے وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ
خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اس گناہ سے درگزر فرمائے اب جائے غور ہے
کہ فقہار حنفیہ تو اس حالت میں بھی جائز و مباح نہیں فرماتے بلکہ اس گناہ کو گناہ جتاتے
ہیں پر خدائے پاک سے امید عفو رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ امید عفو وہاں ہی ہوتی ہے
جہاں وجودِ گناہ ہو۔ سو معلوم نہیں کہ ان دشمنانِ دین و دانش نے کس عبارت سے یہ
بات نکالی کہ حنفیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ فعل جائز ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں
اگر یہ جواز فقہار کی امید عفو سے استنباط کیا ہے سو چاہیئے کہ جن جن گناہوں میں خدائے علیم اور
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے امید معافی ظاہر فرمائی ہے وہی سب کے سب جائز مباح ہو

جائیں سو ایسی بات سوا ان بے وقوفوں کے اور کون کہہ سکتا ہے۔ عبارت ردّ المحتار
ملاحظہ فرمائیے اور پھر اگلی بات کی جانب دھیان لگائیے۔ ان اراد تسکین
الشہوۃ المفرطۃ الشاغلۃ للقلب وکان عزبا لا زوجۃ لہ ولا امّۃ
اوکان الا انہ لا یقدر علی الوصول الیہا لعذر قال ابو اللیث
ارجوان لا وبال علیہ۔ اس عبارت کا وہی خلاصہ ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی
اگر عبادت کی فارغ البالی کے لیے اس فعل کا ارتکاب کیا جائے تاہم گناہ ہے
پر اُمّید عفو و کرم ہے اس کے بعد گزارش ہے کہ اگر بلا غلبہ شہوت صرف حصولِ لذّت
کے لیے یہ فعل شنیع کیا جاوے جیسے اکثر نوعمران ناعاقبت اندیش اس مرض
سخت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس میں علاوہ مضرت دنیاوی کے سخت درجہ کا
گناہ ہے۔ چنانچہ صاحبِ درمختار نے اس کی حرمت بیان کر کے دلیلِ حرمت
یوں بیان کی ہے: لحدیث ناکح الید ملعون۔ یعنی حدیث میں آیا ہے کہ
ہاتھ سے منی نکالنے والا ملعون ہے اور ردّ المحتار میں اس کی نسبت یہ عبارت
مذکور ہے واما اذا فعلہ لاستجلاب الشہوۃ فھو اثم۔ یعنی اگر کوئی
اس فعل کو صرف لذّت حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ الغرض
یہ تحقیق تو شہوت غالبہ کے فرو کرنے یا تحصیل لذّت کے متعلق تھی جس کی حرمت دونوں
صورتوں میں یکساں ہے اب اس کا جواب لکھا جاتا ہے کہ انھوں نے بے باکانہ لکھ
دیا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب شہوت غالب ہو تو یہ حرکت شنیعہ واجب
ہے۔ سو صاحبو یہ ان لوگوں کا سراسر اتہام ہے غلبۂ شہوت میں کسی کتاب کی رو
سے واجب تو درکنار مباح بھی نہیں چنانچہ غلبہ شہوت کا قصّہ اور تفصیل سے لکھ چکا
ہوں اور حوالہ کتب دے چکا ہوں ہاں بعض موقع ایسا ہوتا ہے کہ اس میں اندیشہ
زنا قریب الیقین ہوتا ہے اور بچنے کی کوئی صورت ظاہر نظر میں معلوم نہیں ہوتی ہے

مثلاً ایک شخص دیندار کسی مکان میں آگھرا ہو اور وہ مکان فرش فروش سے آراستہ اور شیشہ و آلات سے پیراستہ ہو اور چھت گیری اس کی جھاڑ و فانوس سے مزّین اور دیواریں پھول و بوٹوں سے رشکِ گلشن ہوں اور وہاں کوئی عورت نازنین جادو نگاہ دلفریب جدا جلوہ دکھا رہی ہو کبھی اپنی خوب روئی کا جوبن اور اپنے جامۂ چست کی پھبن دکھاتی ہیں اور کبھی اپنا ساعد سیمیں دکھا کر سیماب وار بناتی ہے اور کہیں زلف دوتا کا جال بچھاتی ہے اور میٹھی باتوں سے قند مکرر کا مزہ چکھاتی ہے پر یہ شخص دیندار اپنی قوتِ ایمانی سے اس کے فریب میں نہیں آتا ہے اور ہرگز راہِ شیطانی پر نہیں جاتا ہے مگر بمقتضائے بشریت غلبہ شہوت سے مجبوراً اور جوانی کے نشہ میں مخمور ہے اور اندیشہ ناک ہے کہ اگر اخراجِ منی نہ کیا گیا تو معصیت زنا میں ضرور مبتلا ہو جائے گا سو ایسے حالات میں یوں حکم ہے کہ اخراجِ منی کرے اور زنا سے بچے کیونکہ کم درجہ کی معصیّت بمقابلہ بڑی معصیت کے آسان ہوتی ہے دیکھئے اپنی جان تلف کرنا بھی حرام ہے پر بحالت اضطرار اکلِ خنزیر کا حکم ہے کہ بمقابلہ تلف جان یہ کم درجہ ہے سو اگر فقہاء پر اس وجہ سے اعتراض ہے کہ ایسی حالت میں بھی انھوں نے اس فعل کو ضروری لکھا ہے تو اوّل خدائے پاک اور صاحبِ لولاک کی جانب سے ایسے اعتراضوں کا جواب دیجئے پھر کہیں فقہاء پر اعتراض کیجئے سو اہلِ فہم خوب جانتے ہیں جو جواب وہاں ہے وہی جواب یہاں اس صورت میں ان لوگوں کا فقہاء پر اعتراض درحقیقت خدا و رسول پر اعتراض ہے کہ کیوں انھوں نے حالتِ اضطرار میں محرمات کو مباح کیا ہے سو ایسے مذہب سے خدا بچائے۔ اللّٰھم احفظنا من الفھم الردی۔ فقط۔

تیسرا اعتراض فتاوٰی قاضی خاں میں ہے: اذا صلّی علی جلد کلب او ذئب قد ذبح جازت صلوتہ۔

ترجمہ: "کتا یا بھیڑیا ذبح کر لیا جائے تو اس کی کھال پر نماز جائز ہے۔"

الجواب اس اعتراض کا یہ خلاصہ ہے کہ کتا یا بھیڑیا یا اور جانور جن کا کھانا شرعاً حرام ہے ان کی کھال کسی طرح پاک نہیں ہوتی خواہ اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں یا اور کسی طرح مر جاویں اور مذہبِ حنفیہ میں ایسے جانوروں کا گوشت کھانا تو ہر طرح سے حرام و معصیّت ہے پر اگر ان جانوروں کو بسم اللہ اللہ اکبر کہ کر ذبح کر لیں تو ان کی نجاست جاتی رہے گی البتہ حرمت ان کی بدستور باقی رہے گی سو اگرچہ اس مسئلہ کا تسلیم کرنا عوام کے دھیان میں بہت مستبعد معلوم ہوتا ہے پر جب قرآن و حدیث کی جانب دھیان کیا جاوے تو یہ مسئلہ قابلِ تسلیم معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ خداوند کریم سورۃ مائدہ میں فرماتا ہے:

وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ یعنی تم پر حرام کیا گیا چوٹ کھا کر مر جانے والا جانور اور لڑھک کر مر جانے والا جانور اور سینگوں سے لڑ بھڑ کر مر جانے والا جانور اور درندہ کا پھاڑا ہوا جانور مگر جس کو تم ان میں سے ذبح کر لو وہ تمھارے لیے حلال ہے مقصود اس آیت کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں ذبح کرنے کو تزکیہ سے تعبیر فرمایا ہے اور بجائے "اِلَّا مَا ذُبِحْتُمْ"۔ "اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" ارشاد فرمایا ہے اور تزکیہ زبان عرب میں پاک کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر دلیل درکار ہے تو لیجئے ایک دو حدیث نقل کرتا ہوں اور اسی کو سند کافی سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد مدعیان حدیث کو بھی گنجائشِ انکار باقی نہ رہے گی۔ نسائی شریف میں جو منجملہ صحاح ستّہ مستند کتاب ہے یہ حدیث موجود ہے ذکاۃ المیتہ دباغھا یعنی مُردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے سو صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں لفظ ذکاۃ سے تطہیر کے معنی مراد ہیں ذبح کے معنی تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔

ایسے ہی دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ذکاۃ الارض یبسھا یعنی زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے۔ علیٰ ہٰذا مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ اذا جفت الارض فقد ذکت یعنی جب زمین خشک ہو گئی تو وہ پاک ہو گئی۔ سو ان چند احادیث سے ثابت ہوا کہ ذکاۃ کے معنی حقیقی تطہیر اور پاک کرنے کے ہیں سو جب خداوند کریم نے ذبح کو تزکیہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ جانور کو بنامِ خدا ذبح کرنا اس کے گوشت پوست کو پاک کر دینا ہے ورنہ بڑی ہٹ دھرمی ہے کہ یہی لفظ ذکاۃ اگر دباغت پر اطلاق کیا جائے تو پاکی معنی مراد ہوں اور زمین کی خشکی پر بولا جائے تب بھی پاکی معنی مراد ہوں پر ذبح شرعی پر اگر خدائے پاک بھی اس لفظ کو اطلاق فرمائے تو پاکی کے معنی مراد نہ ہوں یہ کیسی بڑی ناانصافی ہے فَمَا لَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ بالجملہ ذبح باسم اللہ سے ذبیحہ کا گوشت پوست پاک ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مذبوحہ جانور کی کھال بے دباغت بھی شرعاً پاک ہے بشرطیکہ کوئی آلائش خارجی اس پر نہ ہو اور مردہ جانور چونکہ بنام خدا ذبح نہیں ہوا تو اس کا تمام گوشت پوست ناپاک رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تطہیر میں شارع نے دباغت شرط کر دی ہے اور بلا دباغت اس کے استعمال کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب یعنی مردہ جانور کی کچی کھال سے نفع نہ اٹھاؤ۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ امر ان یستمتع بجلود المیتۃ اذا دبغت۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی کہ مُردہ جانور کی کھال سے نفع اٹھایا جائے جب اس کو دباغت کر لیا جاوے۔ سو ان دونوں حدیثوں سے بھی معلوم ہوا کہ دباغت اگر شرط ہے تو مردہ کی کھال میں شرط ہے نہ کہ مذبوحہ جانور کی کھال میں۔ ورنہ تخصیص میتہ کی جو ان دونوں حدیثوں میں موجود ہے لغو و بے کار رہے گی۔

الغرض جب قرآن و حدیث دونوں سے اس امر کا پتہ لگا کہ مذبوحہ جانور کی کھال بلا دباغت پاک ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ ہو نہ ہو اس کی طہارت اگر حاصل ہوئی ہے تو بدولت ذکر اللہ ہوئی ہے اس تطہیر میں اس جانور کی حلت کو کچھ دخل نہیں۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ حلال جانور کا کوئی پارچہ گوشت اگر بغیر ذبح کیے تراش لیا جائے تو وہ پاک سمجھا جائے یا اس کے مرنے کے بعد اس کی کھال پاک تصور کی جائے کیونکہ اس جانور کا از قسم حلال ہونا موجود ہے حالانکہ اس کے پوست کی نجاست ہر دو حدیث بالا سے معلوم ہو چکی اور اس کے گوشت قطع کردہ کی حرمت و نجاست اس حدیث سے ثابت ہے جو ابوداؤد اور ترمذی میں ہے: ما یقطع من البھیمۃ وھی حیّۃ فھی میتۃ ولا تؤکل۔ یعنی جو پارچہ گوشت زندہ جانور سے کاٹ لیا جاوے اس کا حکم مردہ کا سا ہے وہ کھایا نہ جائے۔ جب اس گوشت کا حکم مردہ کا سا ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ حرام بھی ہے اور ناپاک بھی ہے کیونکہ مردہ میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں۔ بالجملہ ذبح باسم اللہ تطہیر کے لیے علّت مستقلہ ہے اس کے بعد دباغت کی حاجت نہیں رہتی۔ جانور کو اس طرح ذبح کریں وہ لاریب پاک ہو جائے گا۔ ہاں جس جانور کا نجس العین ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے تو وہ البتہ کسی طرح قابلِ تطہیر نہیں ہو سکتا خواہ اس کو بنام خدا ذبح کریں یا اس کی کھال کو دباغت دیویں ناپاک کا ناپاک رہے گا۔ سو تمام جانوروں میں سے صرف خنزیر کا نجس العین ہونا ثابت ہوا ہے کیونکہ اس کے بارے میں آیت فَإِنَّهُ رِجْسٌ نازل ہوئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سراسر ناپاک مجسم ہے سو جو چیز بجمیع اجزائہ ناپاک ہو وہ بھلا خشک کرنے سے کیسے پاک ہو سکتی ہے۔ مثلاً جانوروں کی لید و گوبر یا آدمی کا پاخانہ چونکہ ان کا ہر ہر جزء ناپاک ہے خشک ہونے سے بھی پاک نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کپڑے میں باندھ کر

اسی کپڑے سے نماز پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی گو اس کے چھونے سے ہاتھ یا کپڑا
بوجہ خشکی کے ناپاک نہ ہوتا ہو۔ رہا کُتّا، بھیڑیا، شیر و ہاتھی وغیرہ، سو یہ سب حرام
ہیں پر ان کا نجس العین ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ جیسے بیل و ہرن
مرا ہوا حرام ہے ایسے ہی یہ حیوانات بھی حرام ہیں سو جیسے وہ دباغت سے پاک
ہو جاتا ہے یہ جانور بھی دباغت سے پاک ہو جائیں گے اور جب ان کی کھال دباغت
سے پاک ہوئی تو ذکر اللہ سے بدرجہ اولیٰ پاک ہو جائے گی کیونکہ اوپر ثابت
ہو چکا کہ ذکر اللہ ایسا اعلیٰ درجہ کا مطہر ہے کہ اس کے سامنے دباغت کی بھی ضرورت
نہیں رہتی مگر ان کی کھالوں کے پاک ہونے سے یہ مراد نہیں کہ خواہ مخواہ ایسی کھالوں
کے مصلے بنایا کریں اور پھر اس پر نمازیں پڑھا کریں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے
لاعلمی سے یا اور کسی وجہ سے اس پر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہو گئی حاجت اعادہ
نہیں۔ پر دیدہ و دانستہ اس پر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے کیونکہ اوّل تو کتے کی دنائت
و حقارت اسی قابل ہے کہ ہر لطیف المزاج اس سے نفرت کیا کرے اور ایسی
گندی باتوں سے بچا کرے۔ دوسرے احادیث سے بھی جلود سباع کے استعمال
کی کراہت معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیر کی کھال کے استعمال سے رعونت اور تکبر مزاج
میں سما جاتا ہے اور کتے کی کھال کے استعمال سے دنائت اور حرص جی میں آجاتی
ہے اس موقع پر پہنچ کر شاید بعض غیر مقلدین یہ بول اٹھیں کہ جب تم نے کتے شیر
وغیرہ کی کھالوں کی کراہت حدیث سے تسلیم کر لی تو بس یہی احادیث ان کے نجس
ہونے کے لیے دلیل کافی ہیں سو بندہ نواز ذرا اس کا جواب بھی سن لیجئے، اعتراض
تو بڑی خوشی خوشی کر ڈالا۔ اگر یہ قاعدہ مسلم ہو کہ جسکے استعمال کی ممانعت ہو وہ شرعاً
نجس سمجھا جائے گا تو آپ پر لازم ہے کہ ثواب ارغوانی یعنی جامۂ سرخ رنگ اور
دیبا و حریر کو جنکے استعمال کے مردوں کے لیے صاف طور پر احادیث میں ممانعت

موجود ہے ناپاک کہیئے۔ علیٰ ہذا کرتہ ہائے دراز آستین اور تہ بند دراز ممنوع الاستعمال
ہے ان کو بھی ناپاک خیال فرمائیے غرض ایسے ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہاں تک
لکھوں۔ سو خلاصہ جواب یہ ہے کہ ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نجس ہونا اور شے ہے
تنگی موقع اجازت نہیں دیتی ورنہ ہر شے کے لیے ممانعت کی وجہ بیان کرتا اور قرآن و
احادیث سے اس وجہ کو موجہ کر دکھاتا۔

بالجملہ ذکر اللہ اور دباغت سے ان محرمات حیوانات کی کھالیں پاک ہو جاتی
ہیں پر اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ خواہ مخواہ بھی اس پر نمازیں پڑھا کریں اس کی ایسی
مثال ہے کہ کوئی عالم مسئلہ بتا دے کہ اگر کوئی شخص زمین پر پیشاب کر دے اور
پھر وہ زمین خشک ہو جاوے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اس سے کوئی عالی فہم یہ
سمجھ بیٹھے کہ خواہ مخواہ فرش مسجد کو پیشاب سے تر کرنا شرع میں درست ہے خشک
ہو کر اپنے آپ پاک ہو جائے گا۔ اس میں کیا ڈر ہے۔ سو بعینہٖ یہی قصہ جلد کلب
کی طہارت کا ہے سر مُو فرق نہیں جو اس میں سمجھتے ہیں وہی یہاں سمجھو۔

رہا یہ شبہ کہ جب ذبح باسم اللہ سے کتے کا گوشت پوست پاک ہو جاتا ہے
تو اس کے کھانے میں کیا تامل ہے سو اس کا یہ جواب ہے کہ ہمارے مجتہدان
زمانہ کی اگر یہی نازک فہمی ہے تو ان پر لازم آئے گا کہ جس چیز کی طہارت ان کے
نزدیک ثابت ہو جائے گی فوراً اس کے کھانے کے لیے تیار ہو جایا کریں گے۔ سو
لیجئے ہم بہت سی اشیاء طاہرہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بر رغبت دل تناول
فرمایئے، آدمی کا تھوک و بلغم اور ناک کا رینٹھ و سنک پاک ہے۔ کپڑا اس سے
ناپاک نہیں ہوتا اس کا معجون بنا کر تناول کیجئے۔ زہر پاک ہے خود کھائیے اور
اپنے معتقدین کو بھی کھلائیے۔ جلد میتہ بعد دباغت کے پاک ہے۔ پیشاب کا
ڈھیلہ خشک شدہ پاک ہے اور جوتی کا تلوہ مل دل دینے سے پاک ہو جاتا ہے،

ان سب کو بھی کھایا کیجیے۔ سبحان اللہ کیا ان لوگوں کی کوتاہ فہمی ہے کہ اس قدر خرابیاں اپنے ذمہ لے لیں۔

الحاصل کتّا وغیرہ ذبح باسم اللہ سے پاک بے شک ہو جاتا ہے پر کھانے کے حق میں بدستور حرام رہتا ہے جیسا کہ میتہ بعد دباغت پاک ہے پر اس کا کھانا حرام ہے لقول النبی علیہ السّلام انما حرم اکلھا اس کے بعد غیر مقلدین کی خیانت بھی قابل اظہار ہے وہ یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں کتّے کی نسبت لکھتے ہیں: انہ لیس بنجس العین یعنی کتے کا ہر ہر جز ناپاک نہیں بلکہ خون اس کا مثل حلال جانوروں کے خون کے بالکل ناپاک ہے اور اس کے اتصال ہی سے سارا گوشت پوست اس کا ناپاک ہے چنانچہ حلال جانوروں کا گوشت پوست بھی تا وقتیکہ اس سے علیحدہ نہ ہو پاک نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مردہ جانور شرعًا ناپاک و حرام سمجھا گیا کیونکہ خون سایل جو دراصل نجس العین ہے اس سے جدا نہیں ہوا اور نیز اس وجہ سے شارع نے اس کی کھال کو ناپاک بتایا اور اس کی تطہیر میں بغرض ازالہ رطوبت ناپاک دباغت کو شرط ٹھہرایا۔

الغرض جمیع حیوانات میں سوائے خنزیر کے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام خون تو اصل سے ناپاک ہے اور گوشت پوست ان کا اصل سے ناپاک نہیں ہے بلکہ بوجہ اتصال خون کے ناپاک ہے۔ سو اصطلاح فقہاء میں جو چیز اصل سے ناپاک ہو اس کو نجس العین کہتے ہیں جیسے لید و گوبر، پاخانہ و پیشاب کہ ان کا ہر ہر جز ناپاک ہے یہی وجہ ہے کہ یہ اشیاء بعد خشک ہو جانے کے بھی بدستور ناپاک رہتی ہیں اور جو چیز اصل سے تو ناپاک نہ ہو، پر اور کسی ناپاک کے اتصال سے ناپاک ہو اس کو نجس بالغیر کہتے ہیں جیسے پیشاب وغیرہ کے اتصال سے بدن یا کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے سو اس کی تطہیر کی یہی شکل ہے کہ اس پیشاب وغیرہ کو

پانی سے دھو ڈالیں۔ سو کتّے کی نسبت فقہاء کا یہ ارشاد کہ نجس العین نہیں ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا پوست وغیرہ اصل سے ناپاک نہیں ہے پر بوجہ اتصالِ خون کے ناپاک ہے سو حضرات غیر مقلدین اس عبارت کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں کہ "کتا ناپاک نہیں"۔ اور عوام کو بہکاتے ہیں کہ فقہ میں کتے کو پاک لکھا ہے حالانکہ فقہ میں اس کی نجس العین ہونے کی نفی کی ہے نہ نجس ہونے کی اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے کہ میں نے گرم پانی نہیں پیا اس سے کوئی سمجھ بیٹھے کہ بالکل پانی ہی نہیں پیا سو یہ خوبی فہم کی دلیل ہے۔

الغرض جب کتے کی ناپاکی بوجہ خون کے تھی سو جب اس کو بطریق ذبح اس کے گوشت پوست سے نکال ڈالیں تو لاریب وہ پاک ہو جائے گا یا بذریعہ دباغت اس کی رطوبت ناپاک دور کر دیں تب بھی پاک ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ سوائے خنزیر کے سب جانوروں کی ہڈی وغیرہ کا استعمال شرعًا جائز ہے۔ چنانچہ سُننِ بیہقی میں یہ روایت موجود ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان تمیشط بمشط من عاج۔ یعنی نبی علیہ السّلام ہاتھی دانت کا کنگھا کیا کرتے تھے سو جب ہاتھی اور کتا حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں سو جیسے ہاتھی دانت کا استعمال شرع میں روا ہے ایسے ہی کتّے وغیرہ کی ہڈی و کھال کا حکم ہے، ہاں نفرت طبعی مجوز استعمال نہیں سو وہ نفیس المزاج کے لیے ضرور ہے۔ سو ایسے مسائل لکھنے سے سوائے اس کے کہ عوام میں کسی قدر شورش برپا کریں اور کوئی مفاد نہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی سور کا گوشت کھانے لگے تو اس سے ہر کس و ناکس نفرت کرنے لگے گا پر اگر کوئی بیاج بٹہ کا مال اُڑانے لگے یا رشوت کے مال سے مٹھی گرم کرنے لگے تو اس سے کوئی چنداں پرہیز نہ کرے گا حالانکہ اس کا گناہ خنزیر کھانے سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت لحق اللہ ہے اور

بیاج ورشوت کی حرمت لحق الحمد ہے مرد فہیم کے لیے یہی کافی ہے سو اسی قدر پر بس کرتا ہوں ۔ فقط ۔

چوتھا اعتراض کفایہ میں ہے کہ سور کی کھال دباغت یعنی نمک وغیرہ لگانے سے پاک ہو جاتی ہے ۔

الجواب یہ اعتراض بھی پچھلے ہی اعتراض کا تتمہ ہے اس لیے مناسب تھا کہ بعد لکھنے جواب سابق کے اس کے جواب کو فروگزاشت کیا جاتا مگر چونکہ ان لوگوں نے اس اعتراض میں بھی حسب عادت قدیمہ عوام کے بہکانے کے لیے ایک داؤ کھیلا ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس دھوکہ بازی کو سب لوگوں پر ظاہر کر دیا جاوے ۔ صاحبو میری عرض کی جانب دھیان لگائیے اور ان لوگوں کی خیانت کو خیال فرمائیے ۔ کتب احادیث وفقہ کا دستور ہے کہ ان میں ہر قسم کی روایات ہوا کرتی ہیں کوئی صحیح ہوتی ہے کوئی سقیم ۔ چنانچہ ترمذی کو دیکھ لیجیے کہ اس میں ہر قسم کی احادیث موجود ہیں کوئی صحیح ہے کوئی ضعیف اور کوئی غریب ہے کوئی شاذ ، علیٰ ہذا اور جس قدر کتابیں صحاح ستّہ کی ہیں ان میں بھی یہی حال ہے ۔ خود بخاری میں جو بعد کتاب اللہ سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے بہت سی احادیث منسوخہ موجود ہیں ۔ شراب کی حلت اور متعہ کا جواز اور نماز میں جوازِ کلام اور ردِّ سلام وغیرہ وغیرہ ان سے ثابت ہے پر چونکہ انہی کتابوں میں احادیث ضعیفہ کا ضعف ظاہر کر دیا گیا ہے اور احادیث منسوخہ کے مقابلہ میں احادیث ناسخہ مذکور ہیں تو ان کتابوں پر کچھ اعتراض نہیں ۔ ہاں جن لوگوں کے مزاج میں مثل ہمارے مجتہدان زمانہ کی سفاہت وبلادت گھسی ہوئی ہے وہ شاید احادیث پر بھی اسی قسم کے اعتراضات کریں سو خیر اگر کتب احادیث پر بھی وہی اعتراض ہے جو کتب فقہ پر اعتراض ہے تو ہم کو چنداں جواب کی ضرورت نہیں ہے ۔ جب اپنے ہاتھوں اپنا گھر بنا بنایا توڑ ڈالا تو ہم کو کیا ضرورت دردسری ہے ۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گومشت خاک ماہم برباد رفتہ شد

اب ناظرین باتمکین ملاحظہ فرمائیں کہ ہم حدیث وفقہ دونوں کی جانب سے جواب دیتے ہیں کہ اگر ان میں کوئی روایت ضعیفہ مذکور ہو اور اس کے ضعف کو ظاہر کر دیا جائے یا اس کے مقابلہ میں کوئی روایت صحیحہ بیان کر دی جائے تو وہ روایت ضعیف ان کتابوں کے حق میں مسقط اعتبار نہیں بلکہ اور زیادہ تر باعث اعتبار ہے چنانچہ ماہرانِ حدیث پر یہ امر مخفی نہیں ہے سو یہی قصہ اس مسئلہ کا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے کہ سور کی کھال کی نسبت ہدایہ میں اس طرح عبارت مذکور ہے :

بخلاف الخنزیر لانہ نجس العین " یعنی سور کی کھال قابلِ تطہیر نہیں کیونکہ اس کا ہر ہر جزء ناپاک ہے جیسے پاخانہ وگوبر کہ اس کا ہر ہر جزء ناپاک ہے بعد خشک ہونے بھی ناپاک رہے گا اور درمختار میں ہے : خلا خنزیر فلا یطھر یعنی فلاں فلاں کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے بجز سور کی کھال کے کہ وہ پاک نہیں ہو سکتی ہے اور درمختار میں تو خوب اس مسئلہ کو مدلّل لکھا ہے ملاحظہ کیجیے : قولہ فلا یطھر ای لانہ نجس العین بمعنی ان ذاتہ بجمیع اجزائہ نجسۃ حیّا ومیتا فلیست نجاستہ لما فیہ من الدم کنجاسۃ غیرہ من الحیوانات فلذا لم یقبل التطھیر فی ظاھر الروایۃ عن اصحابنا " یعنی دباغت سے اس کی کھال پاک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سارے اجزاء ناپاک ہیں زندگی کی حالت میں بھی اور مرنے کے بعد بھی سو اس کی نجاست ایسی نہیں جیسے اور جانوروں کی کھال کی نجاست بوجہ اتصالِ خونِ ناپاک ہے یہی وجہ ہے کہ سور کی کھال قابلِ تطہیر نہیں ہے ۔ چنانچہ ہمارے علماء ثلاثہ سے یہی روایت ہے "

پھر اس عبارت کے آگے یہ عبارت ہے: الا فی روایۃ عن ابی یوسف ذکرھا فی المنیۃ۔ یعنی ایک روایت غیر مشہور سور کی کھال پاک ہو جانے کے بارے میں امام ابو یوسف سے منیہ میں ذکر کی گئی ہے سو اس کا حال سنیئے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ روایتِ صحیحہ مستندہ کو ظاہر الروایۃ کہتے ہیں اور غیر مستندہ کو بلفظ روایت تعبیر کیا کرتے ہیں سو جہاں ان دونوں کا مقابلہ ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ردّ محتار میں ہے اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیھا۔ دوسرے جس مسئلہ میں دلیل بھی مذکور ہو اور دوسری روایت خلاف اس کے بلا دلیل مذکور ہو تو مسئلہ مدللہ پر عمل ہوا کرتا ہے۔ کما فی ردّ المختار وکذا لو فللو احدھما دون الآخر کان التعلیل ترجیحا للمعلل سو جس حالت میں نجاست خنزیر کی جملہ کتب معتبرہ میں دلیل موجود ہے تو اسی پر عمل ہوگا اور دوسری روایت مرجوح ہوگی۔ اب معترضین اپنی آنکھوں کا علاج کرائیں اور پھر دلائل فقہ کی آب وتاب کو ملاحظہ فرمائیں۔ فقط۔

پانچواں اعتراض

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: وان اولج بھیمۃ او میتۃ ولم ینزل لایفسد صومہ ولا یلزم الغسل۔ ترجمہ "اگر کسی نے روزہ کی حالت میں کسی جانور سے یا مردہ عورت یا مرد سے صحبت داری کر لی اور انزال نہیں ہوا تو روزہ بھی نہیں گیا اور غسل بھی واجب نہیں" اور ہدایہ میں ہے کہ کفارہ نہیں آتا خواہ انزال ہو یا نہ ہو"

الجواب

فقہ قانونِ اسلام ہے قرآنِ مجید کی پوری تفسیر اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری شرح ہے اس میں تمام مسائل جزئیہ مشرح و مبسوط ہیں ان کے احکامات کے لیے جداگانہ ابواب ہیں ہر باب میں اسی باب کے متعلق مسائل مذکور ہیں اور جو جو حکم ان مسائل کے اور باب کے

متعلق ہیں وہ اس دوسرے باب میں مذکور ہیں جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے خبث نفس کی وجہ سے کسی جانور یا عورت مردہ سے یہ حرکت کی ہو تو لامحالہ شریعت میں اس کا کوئی حکم مذکور ہونا چاہیئے یعنی اوّلاً تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ آیا یہ فعل اس کا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ ثانیاً اس میں غسلِ جنابت واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ ثالثاً اگر بحالت روزہ یہ حرکت وقوع میں آئے تو روزہ کا کیا حکم ہے۔ رابعاً اس فعل زبوں کی سزا میں اس شخص بدکار کا کیا حکم ہے اور اس جانور کا کیا حکم؟ سو قربان جائیے فقہاء کے کہ انھوں نے یہ چاروں حکم قرآن وحدیث سے چُن چُن کر اپنے اپنے باب میں ذکر کیے یعنی غسل کا واجب ہونا نہ ہونا باب الغسل میں ذکر کیا اور روزہ کا فاسد ہونا نہ ہونا مفسداتِ صوم میں ذکر کیا اور اس بدکار کی سزا اور جانور کا حکم باب الحدود میں ذکر کیا۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ درمختار میں حد زنا کے باب میں مذکور ہے کہ ولا یحد بوطی بھیمۃ بل یعزر وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیّۃً ومیتۃً۔ یعنی جانور سے صحبت کرنے میں کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں ہوئی ہے مگر ہاں اس شخص بدکار کو سخت تعزیر دی جاوے اور اس جانور کو ذبح کر کے جلایا جائے اور اس جانور سے ہر طرح کا نفع اٹھانا قبل الذبح اور بعد الذبح مکروہ ہے یعنی بعد ذبح کے بھی اس کا گوشت نہ کھانا چاہیئے۔ سو دیکھئے کہ اس عبارت میں کیسی شدّ ومدّ کے ساتھ اس شخص کا مستحق سزا ہونا اور اس جانور کا جلایا جانا مذکور ہے۔ رہی یہ بات کہ کون سی سزا اس کو دی جائے گی؟ سو اس کی نسبت درمختار میں یہ عبارت ہے: والتعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رائ القاضی ویکون بالقتل یعنی سزا کا گو اندازہ مقرر نہیں ہے بلکہ حسبِ مقتضائے وقت حاکم کو اختیار ہے اگر مصلحتِ وقت ہو تو اس کو قتل

کر دینا بھی حاکم کے لیے جائز ہے۔

اور ردالمحتار میں ہے: الجماع فی غیر القبل اذا تکرر فللامام ان یقتل فاعلہ یعنی اگر کوئی اپنی منکوحہ کی فرج کے علاوہ اور کسی محل ناجائز میں بدفعلی کرنے لگے تو امام کو اس کا مار ڈالنا بھی جائز ہے۔

سو دیکھئے کہ ان تینوں عبارتوں کی اول عبارت سے اس فعل شنیع کے مرتکب کا مستحق سزا ہونا معلوم ہوا اور دوسری عبارت سے دربارہ تعیین سزا حاکم اسلام کا اختیار معلوم ہوا اور تیسری عبارت سے قتل کر دینا تک بھی تعزیراً جائز معلوم ہوا۔

سو اب مجتہدان غیر مقلدین کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر آپ کا مقصود اس مسئلہ کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ یہ فعل شنیع علماء حنفیہ کے نزدیک درست ہے چنانچہ آپ کی جماعت کے ہر کہ ومہ سے یہی سنا جاتا ہے تو آپ نے بہت بڑا بہتان اس جم غفیر کے ذمہ لگایا ہے اور اس کے صلہ میں آپ کے تمام ہم مشرب مصداق آیت کریمہ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ اس بہتان بندی سے تائب ہو جائیں اور اپنے سخن کا پاس نہ کریں اور آئندہ جو کچھ شبہات مسائل حنفیہ کی نسبت آپ کو پیش آیا کریں تو کسی مجھ جیسے طالب علم سے اول استفسار کر لیا کیجئے پھر کہیں اوروں سے ذکر کیا کیجئے۔ شاید آپ کو وجہ اتہام یہ پیش آئی کہ اس مسئلہ میں غسل وغیرہ کا آنا تو مذکور ہوا پر حد اس کی اس مسئلہ کے ساتھ مذکور نہیں ہوئی اور جب کوئی سزا اس کے ساتھ ذکر نہیں کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ فعل حنفیہ کے نزدیک جائز ہے سو قربان جائیے آپ کی فہم عالی کے اگر یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جس فعل کی سزا اس کے ساتھ ہی مذکور نہ ہو تو اس فعل کا جواز مفہوم ہو گا تو لیجئے ہم حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں۔ اس پر بھی اس قاعدہ کو جاری کیجئے اور یہی اعتراض اس حدیث پر بھی جڑ دیجئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا قطع فی ثمر ولا کثر یعنی پھل چرا لینے میں یا درخت کی گوبہ چرا لینے میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چھ کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے یعنی ترمذی میں یہ حدیث موجود، ابوداؤد میں یہ موجود، نسائی میں یہ موجود، امام مالکؒ نے اس کو روایت کیا ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا، دارمی نے اس کو روایت کیا۔ ایسے ہی اور لیجئے دوسری حدیث میں آیا ہے: لیس علی خائن ولا علی منتهب ولا علی مختلس قطع اس کو بھی چار محدثین نے یعنی ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ امانت میں خیانت کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور نہ مال لوٹنے والے کا اور نہ گرہ کٹ کا۔ علیٰ ہذا تیسری حدیث کو خیال فرمائیے عن ابن عباس انہ قال من اتی بهیمة فلا حد علیہ۔ امام ترمذی نے بعد نقل اس حدیث کے یوں فرمایا ہے: وهذا اصح من الحدیث الاول وهو من اتی بهیمة فاقتلوه والعمل علی هذا عند اهل العلم۔ یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو آدمی کسی جانور سے بدفعلی کرے تو اس پر زنا کی حد جاری نہ کی جائے گی امام ترمذی نے اس کو بیان کر کے فرمایا کہ یہ حدیث پہلی حدیث سے صحیح زیادہ ہے جس کا مضمون یہ تھا کہ جو آدمی کسی جانور سے بدفعلی کرے تو اس کو مار ڈالو اور اہل علم کا عمل بھی اسی پر ہے کہ اس پر حد نہ آئے گی۔ سو اب غیر مقلدین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے قاعدہ کے موافق پھل وغیرہ چرانے کو بھی جائز فرمائیے اور خیانت کو بھی جائز بتلائیے اور لوٹ مار اور لوگوں کی جیبیں کترنے کو

مباح فرمائے۔ اور جانور سے بدفعلی کو بھی جائز بتلائے کیونکہ اس میں حد زنا نہ
آنے کو تو امام ترمذی بھی جو محدثین کے امام ہیں خوب شد و مد سے بیان
کر چکے ہیں۔

سو اب ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ہماری طرز کے موافق تو نہ ان احادیث پر
کچھ اعتراض ہے اور نہ کتب فقہ پر کیونکہ کسی موقع پر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
کو حد کا عدم الوجوب ذکر کرنا مدنظر تھا اس موقع میں تو یہ فرما دیا کہ فلاں فلاں پر حد
نہیں ہے اور کہیں اس فعل کا حرام و گناہ ہونا ذکر کے قابل تھا وہاں اسکو ذکر فرمایا
چنانچہ ماہرین حدیث پر پوشیدہ نہیں ہے۔ علیٰ ہذا فقہ میں بھی یہی قصہ ہے یعنی جہاں
غسل کے واجب ہونے نہ ہونے کا موقع تھا وہاں اس کو ذکر کیا اور جہاں اس
کی حرمت اور اس کی سزا بیان کرنی مدنظر تھی۔ وہاں اس کو ذکر کیا اور کیوں نہ
ہو عقل سلیم بھی اسی طرز کو پسند کرتی ہے۔

ع ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مکانے دارد

بالجملہ جب اس حرکت شنیع کی حرمت اور اس میں تعزیر کا واجب ہونا ہم
کتب فقہ سے مدلل بیان کر چکے تو مجتہدان غیر مقلدین سے التماس ہے کہ اگر
آپ کے نزدیک اس صورت خاص میں بلا انزال بھی غسل واجب ہوتا ہے اور
بحالت روزہ بدولت اس فعل قبیح کے کفارہ واجب ہوتا ہے تو آپ قرآن و
حدیث سے اپنے دعوے کی دلیل لکھنی چاہیئے تھی۔ اگر آپ دلیل لکھتے تو ہم
کو بھی اس کی تسلیم سے کیا انکار تھا۔ خیر جب نہیں لکھ سکے تو اب زیب قلم
فرمائیے مگر اس قدر خیال رہے کہ چونکہ آپ کے نزدیک اجماع و قیاس تو
کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اس لیے کسی آیت سے صراحۃً یا کسی حدیث سے
وضاحۃً ارقام فرمائیے کہ صورت مرقومہ بالا میں بلا انزال بھی غسل واجب ہوتا

ہے اور روزہ کی حالت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اگرچہ مناسب وقت تو یہی
تھا کہ تاوقتیکہ آپ وجوب غسل اور وجوب کفارہ کی دلیل بیان نہ کریں ہم اپنے
مدعا کی دلیل بیان نہ کرتے مگر چونکہ بعض بعض کو ہماری دلیل سننے کا حد سے
زیادہ اشتیاق ہے اس لیے ابھی لکھے دیتے ہیں۔

سو سنیئے تتبع احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں موجب غسل خروج منی
ہے مگر شارع نے بعض مواقع میں اس کے اسباب و دواعی کو اسکے قائم مقام کر
دیا ہے جیسے اصل میں ناقض وضو خروج ریح وغیرہ ہے پر بعض موقع میں نیند
کو جو باعث استرخاء اعضاء سبب خروج ریح ہے قائم مقام خروج ریح کے
کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جس نیند میں احتمال خروج ریح نہ ہو اس سے وضو
نہیں جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ انتظار عشاء میں بیٹھے بیٹھے سو جایا
کرتے تھے اور پھر اسی وضو سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ علیٰ ہذا موجب غسل بھی
درحقیقت انزال منی ہے چنانچہ ابتدائے اسلام میں صحبت بلا انزال سے غسل
واجب نہیں ہوتا تھا اور نیز اسی وجہ سے احتلام فی المنام میں وجوب غسل
کے لیے انزال شرط ہے لیکن شارح نے وطی و مجامعت ہم جنس کو جو منجملہ دواعی
انزال اعلیٰ درجہ کا سبب ہے۔ قائم مقام انزال کیا ہے اور بوجہ چند اس کو بھی
موجب غسل قرار دیا ہے:

اوّل یہ کہ یگانگت جنسی باعث غلبہ شہوت ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ محل شہوت کا منکشف ہونا اور زیادہ تر باعث ہیجان شہوت
ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مواضع کا ڈھکنا بہ نسبت ران وغیرہ کے سخت
درجہ کا مؤکد ہے۔

سوم یہ کہ پھر ایسے غلبہ شہوت کے وقت حرکات جماعی کا وقوع میں کرنا انزال

منی کو قریب الوقوع کر دیتا ہے۔

چہارم یہ کہ ایسے وقت میں اکثر خروجِ مذی ہوا کرتا ہے اور اس میں منی رقیق کے اختلاط کا احتمال ہوا کرتا ہے۔

پنجم یہ کہ اگر مذی نکلتی بھی ہے تو نظر سے غائب ہوتی ہے اگر پیشِ نظر ہوتی تو مذی و منی میں فرق چنداں دشوار نہ ہوتا۔ نظر بریں شارع نے صحبت ہم جنس کو قائم مقام انزال کر کے موجب غسل قرار دیا ہے مگر صحبتِ جانور میں اوّل تو یگانگت جنسی مفقود ہے بلکہ بوجہ اختلاف جنسی رہی سہی شہوت بھی کم ہو جاتی ہے۔

دوم یہ کہ فرج جانور محلّ شہوت نہیں یہی وجہ ہے کہ شارع نے اسکی ستر پوشی کی لوگوں کو تکلیف نہیں دی۔ اگر محل شہوت ہوتا تو ضرور ان کو اس کے ڈھانکنے کی تکلیف دی جاتی اور نیز اسی وجہ سے طبایعِ سلیمہ اس سے متنفر ہوتے ہیں اور اس کے ذکر سے بھی مثل ذکر قے یا پاخانہ کے مکدر ہوتی ہیں پھر اس حالت میں بھی کوئی اس سے خراب ہوتا ہے تو محض اپنی سفاہت و دنارت سے خراب ہوتا ہے۔

نظر بریں فرجِ جانور میں عضوِ مخصوص داخل کرنا ایسا ہے کہ گوبر و پاخانہ کے تودہ میں گھسا دینا اور در و دیوار کے روزن میں چھپا دینا یا مٹی میں دبا لینا ہے سو جیسے ہاتھ سے دبا لینے میں ہاتھ سے سیلانے میں تاوقتیکہ انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا ہے ایسے ہی صحبت جانور میں بلا انزال غسل واجب نہ ہوگا، اگرچہ سخت درجہ کی معصیّت اور سخت درجہ کی سزا کا مستوجب ہے۔

جب اس مسئلہ سے فارغ ہوئے تو دوسرے مسئلہ کا حال بھی خیال فرمائیے: اگر روزہ رمضان میں کسی نے بوجہ اپنی خباثتِ نفس کے کسی جانور سے بدفعلی کی تو مرتکب حرام بے شک ہوا ہے اور مستوجب تعزیر لاریب بن گیا ہے پر کفارہ افطار اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ کفارات منجملہ سزاہائے شرعیہ اور

حدود دنیہ ہیں اور حدود میں شارع کو یہ امر ملحوظ ہے کہ جس جس فعل میں جو جو سزا مقرر ہوئی تو اس سزا کو اسی فعل پر مقصود رکھنی چاہیئے اس فعل کی مناسبت میں اپنے قیاس سے اس حد کو جاری نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے بمقتضائے آیت قرآنی وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا تو حکم فرمایا۔ پر خائن اور اچکّا اور لٹیرے کا ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ دیا، بلکہ صاف طور سے فرمایا کہ لَيْسَ عَلٰى خَائِنٍ وَلَا عَلٰى منتهب ولا مختلس قطع جس کا خلاصہ پورے طور سے پہلے جا چکا ہے اگرچہ مقتضائے قیاس یہ تھا کہ ان تینوں پر بدرجہ اولیٰ قطع ید واجب ہوتا پر کیا کیجئے کہ حدود میں شارع کو قیاس و اجتہاد پسند نہیں ہے بلکہ حدود کی اصلی جرموں میں بھی یوں حکم ہے کہ ادرؤا الحدود ما استطعتم یعنی جہاں تک ہو سکے حد کو ذرا سے بہانہ سے دفع کر دیا کرو سو اس حدیث کے موافق فقہ کا تو قاعدہ مقرر ہو گیا ہے کہ الحدود تندرء بالشبهات یعنی حد ذرا سے شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے بالجملہ چونکہ بوجوہاتِ مذکورہ بالا صحبت جانور بہت سے امور میں صحبت ہم جنس سے علیحدہ ہے تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خائن اور اچکّا وغیرہ پر چوری کی حد جاری نہیں فرمائی ہے ایسے ہی ہم بھی سزائے کفارہ جو عورت سے صحبت کرنے میں واجب ہوتی ہے صحبتِ جانور میں واجب نہ کریں گے بلکہ اس پر سزائے تعزیر جاری کر کے ہدایتِ توبہ تلقین کریں گے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم۔ فقط۔

چھٹا اعتراض

ردمحتار میں ہے: لو رعف فكتب الفاتحة بالدم على جبهته وانفه جاز للاستشفاء وبالبول۔

ترجمہ: "یعنی اگر نکسیر جاری ہو تو شفا کے واسطے اس کی پیشانی پر اور ناک پر الحمد شریف کو خون سے لکھنا جائز ہے اور پیشاب سے بھی لکھنا جائز ہے۔

الجواب میں سخت افسوس کرتا ہوں ان مدعیان عمل بالحدیث کے حال پر کہ انھوں نے کس قدر تدلیس وتلبیس کو جو کار ابلیس ہے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور کس قدر امور دینیہ میں خرافت وخیانت کو اپنا طریقہ ٹھہرا رکھا ہے جس مسئلہ میں دیکھو یہی حال ہے کہیں عبارت کا مطلب نہیں سمجھے، کہیں ترجمہ غلط کیا اور کہیں

اکراہ واجبار یا بوقت مخمصہ واضطرار قابلِ مواخذہ نہیں رہتے ہیں ایسے وقت خاص میں صرف اسی مجبور شخص کے حق میں ان اشیاء کی حرمت ظاہری طور سے ساقط ہو جاتی ہے اور حق عمل میں وہ حرمت مبدل بحِلّت ہو جاتی ہے مگر حق اعتقاد میں ان کی حرمت بدستور جوں کی توں باقی رہتی ہے یہی وجہ ہے

سے تم نے نقل کیا ہے۔ اس کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قول کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے کما یشعر بہ قولہ قالوا کما لایخفی ثالثاً تم نے نفس مسئلہ بھی نہیں سمجھا، دیدہ و دانستہ تحریف کر کے عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہو اسی صفحہ میں شامی میں ہے۔ فاباحۃ الاسقاط محمولۃ علی حالۃ العذر انھا لاتأثم الاثم القتل یعنی اسقاط کا جواز حالت عذر پر محمول ہے یا یہ مطلب ہے کہ قتل جتنا گناہ ہی نہیں ہوگا۔ اور اس کی تائید فتاویٰ قاضی خان کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ ولا اقول بالحل اذا المحرم لوکسر بیض الصید ضمنہ لانہ اصل الصید فلما کان یؤاخِذُ بالجزآءِ فلا اقل من ان یلحقھا اثم ھنا اِذا اسقطت بغیر عذر میں اسقاط کی حلت کا ہرگز قائل نہیں ہوسکتا کیوں کہ جب کسی شکار کا انڈا توڑنے کی وجہ سے اس کا ضمان دینا ہے اس لئے کہ وہ اصل صید ہے تو جس طرح محرم صرف انڈا جو چڑیوں کا ایک درجہ ہے توڑنے کی وجہ سے ماخوذ بالجزاء ہوتا ہے اس طرح عورت بھی بلا عذر اسقاط کر دے گی۔ تو کم سے کم گنہگار تو ہوگی۔

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، اولاً یہ کہ صاحب مذہب سے اس مسئلہ میں کوئی اباحت وغیرہ کی روایت منقول نہیں ہے ورنہ لا اقول کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی دوسرے یہ کہ اباحت علے الاطلاق مراد نہیں، بلکہ عذر کی حالت میں ہے، رابعاً اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بعض مشائخ حنفیہ علے الاطلاق اباحت کے قائل ہیں، تو بھی محل اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح حمل ساقط کر دینے میں بظاہر قطع نسل ہے بعینہٖ اسی طرح عزل میں بھی قطع نسل متحقق ہے۔ حالانکہ صحیح احادیث سے عزل کا مباح ہونا ثابت ہے، اور واقعہ ہے، اور اگر کوئی بالفرض۔ مطلقاً مباح کہتا ہے تو عزل ہی پر قیاس کر کے کہتا ہے،

پھر حنفیہ کی خصوصیت نہیں، محدثین اور شوافع بھی کہتے ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۲۴۹ میں تحریر کرتے ہیں۔ ینزع من حکم العزل حکم معالجۃ المرأۃ اسقاط النطفۃ قبل نفخ الروح اور عزل کے حکم سے روح پھونکی جانے سے حمل ساقط کر دینے کا حکم مستنبط ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کسی کے نزدیک یہ مسئلہ صحیح نہ ہو تو وہ منصفانہ طریق پر اس کی تنقید کر سکتا ہے اور عزل و اسقاط میں معتد بہ فرق ثابت کر کے استنباط مذکور کی تردید کر دینے کا حق ہے، مگر زبردستی کسی بات کو غلط کہہ دینا گندی بتانا اور پھر کوئی ضعیف سے ضعیف دلیل نہ پیش کرنا اتباع حدیث ہے لاحول و لا قوۃ اِلا باللّٰہ، ہاں گورنمنٹ کا جرم ہونا شرعی جرم ہونے کی دلیل ہے تو یہ تو بہ سائل شرعیہ کا اثبات غیر مسلم حکومت کے قوانین سیاسیہ سے بھی ہو جاتا ہے۔ واللہ غیر مقلد معترض کا یہ نیا اجتہاد ہے!

اعتراض نمبر ۵۱ :- درمختار میں ہے۔ مواضعہ تربصہ عشرون یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی عورت کی طرح عدت گزارنی ہوگی۔

جواب :- معترض یہ بتلا سکتا ہے، "کہ عورت کی طرح" تم نے کس لفظ کا ترجمہ لکھا ہے۔ کیا واقعی جھوٹ لکھنے اور بولنے میں شرم تم کو نہیں آتی، یاد رکھو فسیعلم الظلمون ای منقلب ینقلبون،

اصل یہ ہے کہ تربص کے معنی انتظار کرنے کے ہیں، منتہی الارب میں ہے، (تربص) چشم داشتن وانتظار چیزے نمودن، قاموس میں ہے۔ ربص رجلان ربصا انتظرہ خیرا او شرا یحل بہ کتربص

اور درمختار کی اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بیس صورتوں میں مرد نکاح کرنے کے لئے ایک مخصوص مدت گزارنے کا انتظار کرے گا۔ سیدھی بات

تو یہ تھی کہ ان صورتوں کو بالتفصیل لکھ کر معترض قرآن و حدیث سے ثابت
کر دیتا کہ ان صورتوں میں مرد کو منتظر رکھنا شرعاً صحیح نہیں ہے، مگر بجائے
اس کے عبارت کی ترجمہ میں بیش و کمی کر کے عوام کے سامنے اس کو اس طرح
پیش کرنا جس سے ان کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو کسی مسلمان کا کام نہیں
ہے، لطف یہ ہے کہ خود در مختار ہی کی عبارت میں معترض کے "عورت کی طرح"
لکھنے کی تردید موجود ہے، پوری عبارت اس طرح ہے۔ ومواضع تربصہ
عشرون مذکورۃ فی الخزانۃ حاصلھا یرجع الی ان من امتنع نکاحھا
علیہا لمانع لزوم والہ نکاح اختھا واربع سواھا واصطلاحاً تربص
یلزم المرأۃ

یعنی مرد بیس جگہ جن کی تفصیل خزانۃ الروایات میں مذکور ہے انتظار
کرے اب سب صورتوں کا حاصل یہ ہے کہ جس عورت کا نکاح مرد سے کسی
مانع کی وجہ سے ناجائز ہے اس مانع کا زوال ضرور ہے مثلاً اپنی بیوی کی
بہن سے شادی کرنا یا ایک بیوی کے سوا چار دوسری عورتوں سے بیک
وقت نکاح کرنا اور اصطلاحاً عورت کے تربص کو عدت کہا جاتا ہے۔

مگر معترض کی دیانت ملاحظہ ہو کہ اس عبارت کا ایک نا تمام ٹکڑا نقل کر کے
اور پھر اس کو قصداً محرف کر کے زبانی طعن دراز کر رہے ہیں۔ خوب الٹا چور
کوتوال کو ڈانٹے،

کس مسلمان کو اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی سے علاقہ نکاح
من کل الوجوہ منقطع ہوئے بغیر اس کی بہن سے شادی نہیں ہو سکتی، قرآن پاک
میں ہے۔ وان تجمعوا بین الاختین ط لہٰذا مرد کو اپنی سالی سے نکاح کرنے
کے لئے بیوی سے انقطاع کا انتظار کرنا ضروری ہوگا، اور ایک عورت کی

موجودگی میں دوسری چار عورتوں سے بیک دفعہ نکاح نہیں ہو سکتا کہ قرآن
پاک کے خلاف ہے، اس لئے اگر کوئی ایسا کرنا چاہتا ہے تو پہلے موجودہ بیوی
سے رشتہ نکاح توڑے، وقس علیہ، اس لئے اگر نفس ان مسائل پر اعتراض
ہے تو قرآن پاک ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور اگر لفظ تربص سے بیزاری ہے تو
یہ جہالت ہے۔ لغتہً یہ اطلاق بالکل صحیح ہے۔ اور شرعاً کوئی قباحت نہیں، ۔

اعتراض ۱: در مختار مطبوعہ دار الکتب مصر ج ۱ ص ۴۱۲ میں ہے ثم
الاحسن زوجۃ یعنی امامت کی ابتدائی شرطوں میں اگر برابری ہو تو اسے
امام بنایا جاوے جس کی جورو زیادہ خوبصورت ہو، کیا امامت کے لئے
یہ بھی شرط ہے کہ بیویاں ٹٹولی جائیں اور ان کی خوبصورتی کو امتحان کی کسوٹی
پر پرکھا جائے۔

جواب: نکاح کا بڑا فائدہ عفت اور پاکدامنی ہے بخاری و مسلم
میں ہے۔ فانہ اغض للبصر واحصن للفرج حتیٰ کہ بعض احادیث میں نکاح
کو اسی وجہ سے نصف دین پورا کر لینا قرار دیا گیا ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ، مستدرک حاکم
تلخیص الحبیر شعب الایمان، ملاحظہ ہو۔ عن ابن عباس رفعہ الا اخبرکم
بخیر ما یکنز المرأۃ الصالحۃ اذا نظر الیہا سرتہ (تلخیص مستدرک،
ابو داؤد)

(۲) عن ابی ہریرۃؓ قال قیل یا رسول اللہ ای النساء خیر قال التی
سرتہ اذا نظر الخ (نسائی، تلخیص)

(۳) عن ابی امامۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ یقول ما استفاد
المؤمن بعد تقوی اللہ خیراً من زوجۃ صالحۃ ان امرھا اطاعتہ،
ان نظر الیہا سرتہ (ابن ماجہ)

انہیں احادیث کو پیش نظر رکھ کر صاحب درمختار نے لکھا کر علم وقرأت وغیرہ
ابتدائی اوصاف میں برابری ہو تو امامت کے لیے وہ شخص بہتر ہوگا جس کی بیوی
زیادہ خوبصورت ہو۔ کیونکہ عادۃً بہ نسبت دوسرے شخص کے پرہیز گار اور پاک دامن
ہوگا۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کی شرح میں اسی صفحہ
میں فرماتے ہیں، لانہ غالبا یکون احب لھا واعف لعدم تعلقہ بغیرھا
رہا یہ کہ ٹٹولا جانا بیبیوں کا امامت کے لئے شرط ہے ہرگز نہیں، ہاں اسی
عبارت کے تحت میں لکھتے ہیں۔ وھذا مما یعلم من الاصحاب او الارحام
او الجیران اذ لیس ان یذکر کلی واحد اصاف زوجتہ لیعلم انہ احسن زوجۃ
ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول یہ چوری یہیں نکلی۔

اعتراض نمبر ۵۳:۔ درمختار ص۱۷۲ ج ۳ میں اذا زنیٰ فی دار الحرب والبغی
یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرتے سے بھی حد نہیں ۱۲"

جواب:۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ بھی فقہائے حنفیہ کا اپنا اختراع کیا ہوا
نہیں ہے بلکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ہو! ملاحظہ ہو

حدیث اوّل:۔ روی محمد من السیر الکبیر عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم انہ قال من زنیٰ فی دار الحرب او اصاب بھا حدا ثم
ھرب فخرج الینا فانہ لا یقام علیہ الحد۔ فتح القدیر کشوری ص۲۰۲ ج۲

حدیث ثانی:۔ ان عمر بن الخطاب کتب الی عمر بن سعد
الانصاری والی اعمالہ ان لا یقیموا حدا علی احد من المسلمین
فی دار العدو حتی یخرجوا الی ارض المصالحۃ (نصب الرایہ بیہقی مصنف
ابن ابی شیبہ)

ہم الزام انکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اعتراض نمبر ۵۴:۔ درمختار میں ہے ولا حد بزنا غیر مکلف بمکلفۃ
مطلقا یعنی نابالغ وغیرہ غیر مکلف مرد اگر زنا بالغہ عورت سے کرے تو دونوں
پر حد نہیں ہے۔

جواب:۔ زنا نام ہے وطی حرام کا اور حرمت وحلت فعل مکلف کے
اوصاف میں سے ہے مجنون اور نابالغ لڑکے کے غیر مکلف ہونے کی بابت حضرت
صدیقہؓ حضرت علی مرتضٰیؓ، ابوقتادہؓ، ابوہریرہؓ، ثوبانؓ، شداد بن اوسؓ، سے
مسند ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ، مستدرک، حاکم، جامع ترمذی، مسند ابوبکر بزار،
مسند الشامیین للطبرانی وغیرہ کتب حدیث متعدد حدیثیں مروی ہیں بس ان
حدیثوں کے بموجب کسی غیر مکلف مرد کا وطی کرنا شرعاً زنا نہیں کہلا سکتا، اور نہ
اس کو حد ماری جا سکتی ہے۔ اور جب مرد کے اعتبار سے جو حقیقتاً موصوف بالزنا
ہے یہ فعل زنا ہی نہیں ہے تو محل فعل یعنی عورت کے اعتبار سے بھی اس کے
زنا ہونے میں اشتباہ ہے۔ اور شبہ کی حالت میں حدود کا دفع کرنا شرعاً
مامور ہے۔ لہذا حنفی اس صورت میں دفع حد کے قائل ہیں اور سچا عامل بالحدیث
حدیث کے ماتحت ایسا کر سکتا ہے مگر تم لوگ خدا اور رسول کی تعلیم پر عمل کرنے
کو گوارہ نہیں کر سکتے۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است،

درمختار میں ہے ولا بزنا بالمستاجرۃ لہ یعنی
اگر عورت کو اجرت یعنی خرچی دے کر زنا کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔

جواب:۔ میں کہتا ہوں درمختار کی پوری عبارت اس طرح ہے
ولا حد بالزنا بالمستاجرۃ لہ ای للزنا والحق وجوب الحد کالمستاجرۃ
للخدمۃ یعنی اگر کوئی کسی عورت کو زنا کرنے کے لئے اجرت میں لے کر زنا

کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس صورت میں حد ہو گی۔
جس طرح اس صورت میں حد ہو گی کہ عورت کو خدمت کے لئے نوکر رکھا جائے
اور پھر اس سے زنا کرے، ظالم نے اعتراض کرتے وقت آدھی عبارت ہی ہضم
کر لی، توبہ توبہ اتنی جہالت؛

اعتراض نمبر ۵۶: وکذا لو قال اشتریتها ولو حرة یعنی اگر آزاد عورت
سے زنا کیا پھر کہدیا۔ کہ میں نے تو اسے خریدا ہے۔ تو اس پر بھی حد نہیں ۱۲"

جواب:۔ بڑی بے ایمانی معترض نے کی ہے پوری عبارت ملاحظہ ہو۔
ولا باقرار ان انکر الآخر للشبهة وکذا لو قال اشتریتها ولو حرة
یعنی اگر عورت زنا کا اقرار کرے اور مرد انکار کرے تو شبہ کی وجہ سے حد نہیں
لگائی جائے گی اسی طرح اگر عورت زنا کا اقرار کرے مگر مرد یہ کہے کہ جناب یہ
میری لونڈی ہے اور میں نے اس کو خرید لیا ہے۔ تو اس صورت میں بھی حد
نہیں ماری جائے گی، اگرچہ وہ عورت واقعہ میں حرہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مرد
زنا کا اقرار نہیں کرتا، بلکہ دعویٰ نکاح کر کے حلت وطی کا مدعی ہے۔

یہ جاہل سلیس عبارتوں کا صحیح مطلب نہیں بیان کر سکتے اور ان مسائل
پر اعتراض کرتے ہیں۔ جن کا ماخذ احادیث اور آثار ہیں اور پھر دعوئے عمل
بالحدیث کا صندان مضترقان ای تفریق۔

اعتراض نمبر ۵۷ درمختار میں ہے اومنکوحة الغیر او معتدته یعنی دوسرے
کی نکاحتا بیوی یا عدت میں بیٹھی ہوئی عورت سے نکاح کر کے وطی کرے تو
حد نہیں لگائی جائے گی، اگرچہ دونوں کو اس فعل کی حرمت کا علم ہوا۔

جواب:۔ ان دونوں مسئلوں میں بھی شبہ عقد موجود ہے۔ حضرت عمر
بن الخطاب نے ایسے شخص کو حد نہیں لگائی مؤطا میں ہے۔

اعتراض نمبر ۵۸: درمختار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۵۰ ج ۱ میں ہے وطھر بذکاة
یعنی کتا ہاتھی وغیرہ اگر ذبح کر دیئے جائیں تو بھی ان کا چمڑا پاک ہے۔
جواب:۔ درمختار کی عبارت اس طرح نہیں بلکہ اس طرح۔ ما طھر
بدباغ طھر بذکاتہ اس پر تو کوئی اعتراض نہیں۔
اور مردہ کے چمڑہ غیر مدبوغ سے نفع نہیں لینا چاہیے۔ دیکھو ترمذی، نسائی
ابوداؤد، ابن ماجہ، لا تنتفعوا من المیتة باھاب اور مذبوح کو میتہ نہیں کیا جاتا۔۔۔
۔۔۔۔۔ ورنہ حدیث میں میتہ کی قید بے سود ہوتی۔ ولا یقول بہ الا من نفسہ
ثانیًا:۔ مر جانے کے بعد ہر جانور کے اجزا اس لئے ناپاک ہو جاتے ہیں کہ
نجس رطوبت اور فضلات خبیثہ رگ کران میں ہو جاتے ہیں؛
علامہ ابن قیم زاد المیعاد جلد ثانی صفحہ ۲۲ میں لکھتے ہیں۔ واللحم انما
ینجس لاحتقان الرطوبات والفضلات الخبیثة فیہ
اور کون نہیں جانتا کہ ذبح کرنے سے یہ ناپاک رطوبت خام ہو جاتی ہے،
اس لئے کھال وغیرہ پاک رہے گی،
ثالثًا:۔ ازالہ نجاست میں ذبح کرنا بہ نسبت دباغت کے زیادہ موثر
ہے، علامہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔
ان الدباغ لا یزید فی التطھیر علی الذکاة فتح ج ۹ صفحہ ۵۲۱
ان دلائل سے معلوم ہوا کہ کتا ہاتھی وغیرہ اگر ذبح کئے جائیں تو ان کا چمڑہ
ایما امرأة نکحت فی عدتھا فان کان زوجھا الذی تزوجھا لم یدخل
فوق بینھما ثم اعتدت بقیة عدتھا من زوجھا الاول ثم کان
خاطبا من الخطاب وان کان دخل بھا فرق بینھما ثم اعتدت
من الآخر ثم لا یجتمعان ابدا وفی الطحاوی قال علی ان تابا واصلحا
خطبھا من الخطاب۔ منگنی،

پاک ہے۔ ہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ امام مالکؒ بھی یہی مذہب رکھتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۹ :۔ درمختار مصری صفحہ ۱۵۲ میں ہے۔ لیس الکلب نجس العین عند الامام؛

جواب :۔ کتے کے نجس العین ہونے پر کوئی دلیل نہیں اگر ہے تو پیش کرو زمانہ نبوی میں کتے برابر مسجد نبوی میں آتے جاتے رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی کتوں کو مسجد سے روکا۔ اور نہ ان کی آمد و رفت کی جگہ کبھی دھلوائی، اور صاف کرائی۔

ابن عمر فرماتے ہیں:" کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ وسلم ولم یرشون شیئا من ذالک۔

تنبیہہ :۔ کتے کے نجس العین نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ زندہ کتا نجس نہیں ہے اور اس کی کھال دباغت سے پاک ہو سکتی ہے۔ دیکھو شامی صفحہ ۱۴۶ ج ۱۔ ہاں اس کا گوشت خون لعاب ناپاک ہیں شامی صفحہ ۱۴۵۔

اعتراض نمبر ۶۰ :۔ درمختار میں ہے۔ ویتخذ جلدہ مصلی ودلوا صفحہ ۱۵۲

جواب :۔ سور کے کھال کے علاوہ جب تمام کھالیں۔ دباغت سے پاک ہو جاتی ہیں۔ تو پھر اس کا جانماز اور ڈول بنانا جائز ہوا،

ہاں امام بخاری کے نزدیک بغیر دباغت ہی جانماز اور ڈول بنانے کو جائز فرمائیں اور قاضی شوکانی سور کے چمڑے کا ڈول بنائیں تو آپ کو کچھ خیال نہ ہو۔

اگر معترض ایسے مسائل سمجھنے سے قاصر ہے تو علمائے احناف سے قبل از اعتراض دریافت کر لیتا۔ حدیث میں آیا ہے۔ انما الشفاء العی السوال او کما قال مگر تمہارے نزدیک تو دین فروشی کرکے دنیا طلبی مقصود ہے۔

فویل لھم مما کتب ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔

اعتراض نمبر ۶۱ :۔ درمختار میں ہے ولو اخذ بشرط یباح

جواب :۔ حنفیہ کے نزدیک گانے بجانے کی مزدوری فقہ کی تمام کتابوں میں منع لکھی ہے۔ البتہ بلا شرط جو اصل میں مزدوری نہیں ہے۔ بعض نے مباح لکھا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ یہ مباح نہیں ہے علامہ شامیؒ نے صفحہ ۳۷ ج ۵ میں لکھا ہے۔ قال الامام الاستاذ لا یطلب والمعروف کالمشروط، قلت وھذا مما یتعین الاخذ بہ فی زماننا یعلمھم انھم لا یذھبون الا باجر البتۃ۔

کہا امام استاذ نے کہ بلا شرط بھی حلال نہیں اور معروف مثل مشروط ہے یعنی جو بات مشہور معروف ہو وہ مثل مشروط کے ہوتی ہے۔ جب مشہور ہے کہ گانے بجانے والے بغیر اخذ اجرت کے (گانے کو) نہیں جاتے تو ان کا بلا شرط گانا بجانا بھی بسبب معروف ہونے کے مثل مشروط ہوگا۔ علامہ شامی آگے فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ اجرت کے سوا نہیں جاتے۔ معلوم ہوا کہ صحیح یہی ہے کہ بلا شرط بھی مباح نہیں۔

اعتراض نمبر ۶۲ :۔ ہدایہ میں ہے۔ ھذا لا شیاء جائز

جواب :۔ اسی ہدایہ میں اس کے آگے قول صاحبین لکھا ہوا ہے۔ وقال لا لا یضمن ولا یصح بیعھا وعلیہ الفتویٰ پس مذہب حنفی کی مفتی بہ روایت کو چھپانا اور غیر مفتی بہ روایت کو بیان کرکے اعتراض

کرنا وہابیوں کا کام ہے؛
اچھا اگر ان اشیاء کی بیع جائز ہی سمجھی جائے اس لئے کہ یہ مال ہے اور بجز لہو کے ان سے جائز فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے تو بھی ان کا بجانا تو ناجائز ہی رہے گا۔ نہ یہ کہ ان کی بیع کے جواز سے بجانا بھی جائز ہو جائے گا:"

تمت بالخیر

غیر مقلدین کی فقہ حنفی
سے نفرت و عداوت

جس طرح غیر مقلدین، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں، ایسے ہی انہیں فقہ حنفی سے بھی شدید نفرت ہے، ان کے چھوٹے بڑے وقتاً فوقتاً فقہ حنفی کے خلاف لکھتے رہتے ہیں' اور یہ تو ان کے ہر فرد کے زباں زد ہے کہ" فقہ حنفی قرآن و حدیث کے خلاف ہے"۔ بعض غیر مقلدین تو فقہ حنفی کے خلاف نہایت ہی غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں، فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدین کی چند تحریرات نذر قارئین کی جاتی ہیں۔

حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:-

" میں مکرر اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج فقہ حنفیہ کے نام سے جو اسفار لہو الحدیث (دل بہلانے والی باطل باتوں، ناقل) کا مجموعہ دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے ایک حصہ کو گمراہ کرنے کا موجب بن رہا ہے اس کا ایک لفظ بھی حضرت امام ابوحنیفہ رح سے تعلق نہیں رکھتا" [1]

[1] فیض عالم: حکیم - اختلاف امت کا المیہ ص ۱۴۱

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں :-

" مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آج فقہ حنفی کی آڑ میں جو مجموعہ اسفار لہو الحدیث ہمارے ہاں مروج اور شائع ہے اس میں ایک حرف بھی سیدنا امام ابوحنیفہؒ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور نہ آج تک کوئی ثابت کرنے کی جرأت کر سکا ہے، اس مقام پہ بے اختیار سبائیت کی اس ڈاکہ زنی اور رفض کی اس نقب زنی کی داد دینے کو جی چاہتا ہے" [۱]

حکیم صاحب کی طرح ان کی جماعت کے اور بہت سے حضرات بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں، مگر ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، اس کی تردید کے لیے حضرت امام صاحب کی مسانید اور کتاب الآثار، نیز آپ کے تلامذہ حضرت امام محمد و قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ کی کتب کا مطالعہ کافی ہے۔ یہ سب کتب بحمد اللہ شائع ہو چکی ہیں ان کا مطالعہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ فقہ حنفی کے مسائل اُن کتب میں بروایت امام ابو حنیفہؒ پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

جماعت غرباء اہلحدیث کے سابق امام مولوی عبد الستار صاحب اپنے والد مولوی عبد الوہاب صاحب کی اسلامی خدمات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

" اپنے زمانہ کے بخاری نے اپنے استاد شیخ الہند میاں صاحب مرحوم سے تحصیل علم کے بعد ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ دار الکتاب والسنۃ کی بنیاد شہر دہلی میں قائم کر کے خالص درس قرآن و حدیث شروع کیا اور دیگر علوم آلیہ و عقلیہ منطق و فلسفہ، فقہ مروجہ وغیرہ کے ڈھول کا پول کھولنا شروع کیا اور قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے ان پر عمل عقیدہ رکھنا رکھانا سخت جرم بتایا اور بیان فرمایا کہ کتب فقہ مروجہ شریعت اسلام کے

[۱] فیض علم: حکیم - اختلاف امت کا المیہ ص ۳۱۲

بالکل منافی ہیں، کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے ان پر عمل کرنا محض گمراہی اور حرام ہے بھلا اکل حلال کے ہوتے ہوئے خنزیر کھانا کب روا ہے۔ [۱]

مزید لکھتے ہیں :-

" شرک و بدعت کی وہ چھتاڑ کرتے ہیں اور شخصی تقلید ناسدید کا وہ کھوج کھوتے ہیں اور فقہ کے خراب اور گندہ مسائل جو قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہیں وہ مٹی خراب کرتے کہ باید و شاید"۔ [۲]

غیر مقلدین کے مشہور مناظر مولوی طالب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں۔

" فقہ حنفی (جسے آپ کے علماء اس ملک میں بطور قانون نافذ کرنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہیں) اتنے گندے مسائل سے بھری پڑی ہے کہ قلم کی نوک اور ہماری زبان اس بات کی متحمل نہیں کہ انہیں ضبط تحریر۔ یا نوک زبان پر لایا جا سکے کیونکہ یہ تو وہ فقہ ہے کہ جب یہ مصطفیٰ کمال پاشا کے ملک میں رائج تھی تو اس کی گمراہی کا سبب بنی اور اسی کے مسائل سن سن کر اسے اسلام سے نفرت ہوئی اور پنجاب یونیورسٹی کی ایم۔ اے اسلامیات کی طالبات نے اس فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ کے متعلق کچھ یوں اظہار خیال کیا کہ اگر یہ اسلام ہے تو ہمیں سوشلزم منظور ہے"۔ [۳]

مولوی طالب الرحمٰن نے اس کتاب میں فقہ و اہل فقہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے

[۱] عبد الستار مفتی - خطبہ امارت ص ۱۳ مشمولہ رسائل اہلحدیث ج دوم

[۲] عبد الستار مفتی - خطبہ امارت ص ۱۵ - ۱۶

[۳] اصلی حنفی نماز ص ۴ : شائع کردہ شبان اہل سنت ملتان۔

وہ ہمارے لیے ضبطِ تحریر سے باہر ہے اس لیے ان کے ایک ہی حوالے پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔

غیر مقلدین کے ایک اور مناظر مولوی ابوالکلیم اشرف سلیم صاحب نے فقہ حنفی کے خلاف اپنی ایک کتاب کے ٹائٹل پر یہ عبارت درج کی ہے "کتاب ہذا میں محمد رسول اللہ کی احادیث مبارکہ اور فقہ حنفیہ کوفیہ کے بے بنیاد عقائد اور شرمناک مسائل کا علمی تحقیقی موازنہ کیا گیا ہے"۔

مولوی صاحب اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس کے آخری حصے میں خالص فقہ حنفیہ کے یک صد گمراہ کن، شرمناک، انسانیت سوز، موجبِ لعنت، خود ساختہ، غیر معتبر، غیر مستند، مخرب اخلاق، عقائد باطلہ کا بیان کیا گیا ہے جسے پڑھ کر آپ پکار اُٹھیں گے کہ واقعی مقلدین احناف کی فقہ حنفیہ کے پرخچے اُڑ گئے اور قرآن وحدیث کا پرچم لہرا رہا ہے"۔ [1]

اس کتاب میں مولوی صاحب نے جو بیہودہ عنوانات قائم کر کے ان پر حاشیہ آرائی کی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

مولوی اشرف سلیم کا مبلغ علم

مولوی اشرف سلیم صاحب غیر مقلدین کے معروف مصنف، مقرر اور مناظر ہیں، احناف کے خلاف اشتہار بازی اور چیلنج بازی ان کا عام مشغلہ ہے۔ ان اشتہارات اور چیلنجز کے اندر کس قدر جھوٹ اور فریب ہوتا ہے وہ تو ہم اس وقت زیر بحث نہیں لاتے، اس وقت قارئین کو صرف یہ بتلانا ہے کہ یہ مولوی صاحب جو فقہ حنفی کو قرآن وحدیث کے خلاف ثابت کرنے

[1] مولوی اشرف سلیم ۔ احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۳

کے درپے ہیں۔ اُن کا اپنا مبلغ علم کیا ہے، تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک حوالہ عرض ہے

مولوی صاحب موصوف فلسفۂ معراج بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"ہر نبی کو اللہ تعالیٰ اس کی شان و مرتبہ کے مطابق معراج کرائی، حضرت آدمؑ کو جنگل میں مقامِ توبہ پر معراج کرائی، حضرت نوحؑ کو جبل جودی کے مقام پر معراج کرائی، حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں معراج کرائی، حضرت اسماعیلؑ کو چھری کے نیچے معراج کرائی اور حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر معراج کرائی"۔ [1]

قارئین اس عبارت کو بغور پڑھیے اور داد دیجئے مولوی صاحب کے علم و تحقیق کی، ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب معراج کے معنیٰ سے بھی واقف نہیں، بس تقریری ترنگ میں ہر نبی کو معراج کروا رہے ہیں، دوسرے اس پر بھی غور کیجئے مولوی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں صلیب پر معراج ہوئی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے نزدیک وہ صلیب پر چڑھے تھے اور انہیں سولی دی گئی تھی، حالانکہ یہ نظریہ یہود و نصاریٰ کا تو ہے اہلِ اسلام کا نہیں اور یہ نظریہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۴ : ۱۵۷

اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے،

جن کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر معراج کروا رہے

[1] مولوی اشرف سلیم ۔ میزان المتکلمین ص ۱۳۶

ہیں، جو قرآن وحدیث کے بنیادی عقائد سے بھی واقف نہیں، جو خود قرآن وحدیث کے خلاف لکھ رہے ہیں وہ امام الائمۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر کیچڑ اچھالتے ہیں اور اُن کی فقہ کے خلاف لکھتے ہیں ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

ہم نے فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدین کی تحریرات کے صرف دو چار حوالے بطور نمونہ پیش کئے ہیں ورنہ ان کی اکثر کتب اسی قسم کی عبارات سے بھری پڑی ہیں فقہ حنفی کے خلاف لکھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے، ایسے لگتا ہے کہ انہوں نے فقہ حنفی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا اپنا مشن بنالیا ہے تاکہ سادہ لوح عوام کو فریب دے کر فقہ حنفی سے متنفر کرسکیں، پہلے بھی ان کے بڑوں نے فقہ حنفی کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی تھیں اور آج بھی یہ کام زوروشور سے جاری ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی عقل وشعور سے عاری غیر مقلد فقہ حنفی کے خلاف لکھتا رہتا ہے اور یہ اس کی کوئی نئی تحقیق نہیں ہوتی بلکہ بڑوں کی پٹاری سے چرا کر اپنے نام سے شائع کردیتا ہے۔

فقہ حنفی پر اعتراضات کی حقیقت

[جمع وترتیب]

پیرجی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

پیرجی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ کالج روڈ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا اعتراض:

آپ کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ

فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہدایہ اولین ص ۳۳۰ پر لکھا ہے "مدة الرضاعة ثلثون شهرا عند ابی حنیفة" "رضاعت کی مدت امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال ہے" اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ ؒ نے صریح آیات اور واضح احادیث سے اختلاف کیا ہے اس لیے کہ قرآن مجید اور احادیث میں بچہ کے دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ (ص ۸)

جواب نمبر ۱:

اپنے گزشتہ پمفلٹ میں آپ امام ابوحنیفہ ؒ پر تکذیب حدیث کے الزام سے بیزاری کا برملا اعلان فرما چکے ہیں، اور اب آپ ان پر مخالفت قرآن کا الزام عائد کر رہے ہیں، کیا یہ دوغلی پالیسی آپ کی عادت وفطرت ہے؟

جواب نمبر ۲:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں بھی روایتی بددیانتی کی ہے، اس کے بعد یہ عبارت ہے "وقالا سنتان وقال زفر ثلثة احوال" یعنی صاحبین کے نزدیک مدت رضاعت دو سال اور امام زفر ؒ کے نزدیک تین سال ہے، آپ نے یہ عبارت حذف کر دی ہے، جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے، عین الہدایہ ص ۱۲۵ میں ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اجتہادی مسائل میں اختلاف فطری امر ہے۔

جواب نمبر ۳:

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی ؒ اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واتفقوا

على ان التحريم بالرضاع يثبت إذا حصل فى سنتين واختلفوا فى ما زاد على الحولين فقال أبو حنيفة يثبت إلى حولين ونصف وقال زفر ثلاث سنتين وقال مالك والشافعي وأحمد الامد سنتان فقط واستحسن مالك أن يحرم بعدهما إلى شهر وقال داؤد رضاع الكبير يحرم

(رحمته الامه فى اختلاف الائمة ص ۳۱۷)

یعنی دو سال پر تو ائمہ کا اتفاق ہے، اس سے زائد مدت میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک اڑھائی سال، امام زفر ؒ کے نزدیک تین سال، امام مالک ؒ کے نزدیک دو سال اور ایک ماہ، اور امام داؤد ظاہری ؒ کے نزدیک تمام عمر مدت رضاعت ہے، علامہ سید امیر علی ؒ فرماتے ہیں کہ "مالکیہ کے نزدیک دو سال کے بعد بھی ایک ماہ تک رضاعت ثابت ہوتی ہے، حتی کہ بعض کے نزدیک تمام عمر مدت رضاعت ہے۔

(عین الهدایہ ص ۱۲۴ ج ۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے جس میں خطا وصواب کا احتمال بدیہی امر ہے، لیکن فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق مجتہد کو خطا پر ثواب واجر ملتا ہے، لہٰذا اسے مطعون کرنا شرعاً ناجائز ہے، چہ جائیکہ اسے مخالفِ قرآن وحدیث قرار دیا جائے یقیناً اس فرمانِ نبوی ﷺ کی مخالفت کرنے والا اہل حدیث ہرگز نہیں ہے، اسی لیے فقہائے کرام کے اختلافات کو امت کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی ؒ نے رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ کے نام سے کتاب مرتب فرمائی ہے، جس کا ایک حوالہ اوپر نقل کر چکا ہوں، اور آئندہ سطور میں بھی ان شاء اللہ اس کے مزید حوالے نقل کروں گا۔

جواب نمبر ۴:

جس آیت والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین (البقرة: ۲۳۳) کو آپ نصِ صریح قرار دیتے ہیں، اس میں یہ الفاظ بھی قابلِ غور ہیں فان ارادا فصالا عن

تراض منهما یعنی اگر وہ دونوں (ماں باپ) باہمی رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو
ان پر کچھ گناہ نہیں' اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ان یفطماہ
قبل الحولین وبعدہ (تفسیر ابن جریر طبری ص ۳۰۲ ج ۲) یعنی انہیں دو سال سے قبل یا بعد
دونوں صورتوں میں دودھ چھڑانے کا اختیار ہے' اس سے ظاہر ہے کہ یہ آیت نص صریح نہیں۔

جواب نمبر ۵:

دوسری آیت وحملہ وفصالہ ثلثون شهرا (الاحقاف: ۱۵) اس کے بارہ میں بھی
تفاسیر مختلف ہیں۔

۱..... بعض کے نزدیک اس آیت میں شخص معین کا ذکر مقصود ہے' حکم عام مقصود نہیں' اور وہ
شخص معین سیدنا ابوبکر صدیق ؓ ہیں و روی ان الایة نزلت فی ابی بکر الصدیق
وکان حملہ و فصالہ فی ثلاثین شهرا حملته امه تسعة اشهرا وارضعته
احدی وعشرین شهرا (اسباب النزول ص ۲۵۴ قرطبی ص ۱۹۳ خازن ص ۱۲۵ ج ۴۔
مظہری ص ۴۰۴ ج ۴) قال ابو بکر رب اوزعنی ان اشکر الخ (تفسیر ابن
عباس ص ۳۱۳) یعنی یہ آیت صدیق اکبر ؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے' کیونکہ ان کا
حمل وفصال تیس ماہ کا تھا' ۹ ماہ کا حمل اور اکیس ماہ کی رضاعت' اگر اسے حکم عام قرار دیا
جائے تو مدت رضاعت اکیس ماہ قرار پائے گی۔

۲..... بعض کے نزدیک حملہ الگ مبتدا ہے اور فصالہ الگ' دونوں کی خبر ثلاثون شہرا ہے' یعنی
حملہ ثلاثون شهرا وفصالہ ثلاثون شهرا حمل کی انتہائی مدت بھی تیس ماہ اور
رضاعت کی انتہائی مدت بھی تیس ماہ۔ جیسے کوئی شخص کہے لفلان علی الف درهم و
خمسة اقفزہ حنطتہ الی شهرین یعنی فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک ہزار درہم اور
پانچ من گندم ہے دو ماہ کے لیے' یعنی گندم بھی دو ماہ کے لیے۔ اور درہم بھی دو ماہ کے لیے
دونوں میں مدت کو تقسیم نہیں کیا جائے گا' اسی طرح ثلاثون شهرا کی مدت' حمل اور
رضاعت میں تقسیم نہیں کی جائے گی' بلکہ دونوں کی مدت تیس تیس ماہ ہی ہوگی' یہ مذہب ہے

امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کا۔ باقی رہا یہ شبہ کہ امام اعظم ؒ کے نزدیک تو مدت حمل دو سال
ہے' جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے تو تیس ماہ کیونکر درست ہوگی؟ تو اس
کے لیے عرض ہے کہ آیت میں لفظ حمل کے دو معنوں کا احتمال ہے۔ ۱۔ پیٹ میں اٹھانا ۲۔
گود میں اٹھانا۔ تو امام اعظم ؒ کے نزدیک یہاں حمل کا دوسرا معنی یعنی گود میں اٹھانا مراد
ہے' پہلا معنی مراد نہیں اور قرآن پاک میں اس دوسرے معنی میں اس لفظ کا استعمال موجود
ہے' جیسا کہ ارشاد ہے فاتت به قومها تحمله (مریم: ۲۲) یعنی مریم ؑ بچہ کو گود میں اٹھا
کر قوم کے پاس آئیں گویا امام اعظم ؒ کے نزدیک گود میں اٹھانے اور دودھ پلانے کی
مدت تیس تیس ماہ ہوگی۔

۳..... بعض کے نزدیک حملہ اور فصالہ ایک ہی مبتدا ہے اور اس کی خبر ثلاثون شہرا ہے بایں
صورت معنی یہ ہوگا کہ حمل کی اول مدت اور رضاعت کی اکثر مدت مراد ہوگی یعنی حمل کی کم از
کم مدت چھ ماہ اور رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہوگی۔ یہ مذہب ہے امام
قاضی ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی ؒ کا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ فرماتے ہیں کہ
یستدل بهذه الایة علی ان اقل مدة الحمل ستة اشهر، لقوله تعالیٰ وفصاله
فی عامین فانه اذا ذهب منها عام بقی للحمل ستة شهر و علیه اتفق الائمة
فی اقل مدة الحمل (تفسیر مظهری ج ۸ ص ۴۰۴) یعنی یہ آیت قول ربانی و
فصالہ فی عامین کی روشنی میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے اور
اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

۴..... بعض کے نزدیک حملہ مبتلا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے' اور فصالہ مبتدا ہے جس کی
خبر ثلاثون شہرا ہے حملہ کی خبر اس لیے محذوف ہے کہ اس کے احوال مختلف ہیں قاضی ثناء اللہ
پانی پتی ؒ فرماتے ہیں کہ "واختلفوا فی اکثرها فقال أبو حنیفة سنتان وعن
مالك روایات اربع سنین وخمس سنین وسبع سنین وقال الشافعی اربع
سنین وعن احمد روایتان المشهور کمذهب الشافعی والاخری کمذهب

ابی حنیفة" (تفسیر مظهری ج٨ ص ٤٠٤) یعنی مدت حمل کے زیادہ سے زیادہ ہونے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چارسال، پانچ سال، سات سال تک کی روایات ثابت ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چارسال، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق چارسال اور دوسرے قول کے مطابق دوسال ہے اسی طرح تفسیر مواہب الرحمن پارہ ٢٦ صفحہ ٩ میں ہے کہ "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پڑوس میں ایک بچہ چارسال کا حمل گذار کر پیدا ہوا۔"

٥.....بعض کے نزدیک حملہ وفصالہ ایک ہی مبتدا ہے اور ثلاثون شهرا اس کی خبر ہے لیکن یہاں نہ تو حمل کے لیے مدت متعین ہے اور نہ رضاعت کے لیے، حمل کی مدت نکال کر بقیہ مدت رضاعت کی ہوگی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے "اذا حملت تسعة اشهرا رضعت احدی و عشرین شهرا وان حملت سبعة اشهرا رضعت ثلاثة و عشرین شهرا وان حملت ستة اشهرا رضعت اربعة و عشرین شهرا" (تفسیر ابن جریر ج٢ص٣٠٢، قرطبی ج١٦ص١٩٣، خازن ج٤ص١٢٥، مظہری ج٨ص٤٠٨، ابن کثیر ج٤ص٢٤١) یعنی حمل اگر نو ماہ کا ہے تو رضاعت اکیس ماہ کی، حمل اگر سات ماہ کا ہے تو رضاعت تیئس ماہ کی اور حمل اگر چھ ماہ کا ہے تو رضاعت دوسال کی ہوگی اور معروف حمل نو ماہ کا ہے اس صورت میں حولین کاملین کا تقاضا پورا نہیں ہوتا اور اگر مدت حمل امام شافعی اور امام احمد کے مسلک کے مطابق تیس ماہ سے تجاوز کر جائے تو مدت رضاعت تو بالکل ختم ہو کر رہ جائے گی۔

ان مذکورہ تفسیری اقوال سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر٦:

صاحب ہدایہ نے دوقسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ① وہ جو خاوند کے نکاح میں ہیں اور بلا اجرت بچہ کو دودھ پلاتی ہیں اس کے لیے مدت رضاعت اڑھائی سال ہے اور دلیل آیت

ثلاثون شهرا ہے۔ ② وہ عورت جو مطلقہ ہے اور خاوند کی خواہش اور بچہ کی ضرورت کے تحت اجرت پر بچہ کو دودھ پلاتی ہے اس میں چونکہ مرد (جس نے اجرت دینی ہے) عورت (جس نے اجرت لینی ہے) اور بچہ (جس کی خوراک کا انتظام ہے) تینوں کے حقوق کا یکساں لحاظ ضروری ہے، تاکہ کسی فریق پر زیادہ بوجھ نہ پڑے، اس لیے مدت رضاعت دوسال مقرر کی گئی ہے۔ اس پر آیت حولین کاملین اور حدیث لا رضاع بعد الحولین سے استدلال کیا گیا ہے دوسال تک بچہ کی پرورش اور نشوونما کا انحصار ماں کے دودھ پر ہی ہوتا ہے اور بچہ کی ماں (طلاق کی وجہ سے) چونکہ بچہ کو دودھ پلانے کی شرعاً مکلف نہیں رہی اور نہ ہی بچہ کے باپ کے ذمہ اس کی ماں (مطلقہ) کا نان نفقہ لازم رہا لہٰذا شریعت نے نان نفقہ کی بجائے معین اجرت کے ذریعہ بچہ کی ماں کو ایک مناسب وقتی روزگار فراہم کر دیا تاکہ بچہ کی پرورش اور ماں کی معیشت دونوں کا انتظام ہو جائے اور دوسال تک چونکہ بچہ دودھ کے علاوہ دیگر خوراک استعمال کرنے کے قابل بھی ہو جاتا ہے اس لیے تیسرے فریق یعنی بچہ کے باپ پر یہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا گیا اور پھر چونکہ یہ سب کچھ دراصل بچہ کے لیے کیا جارہا ہے، اس لیے بچہ کی جسمانی صحت کا لحاظ اس میں ضروری خیال کیا گیا ہے چنانچہ اگر دوسال سے قبل ہی یعنی ڈیڑھ، پونے دوسال میں ماں کے دودھ کے بغیر دیگر خوراک پر گزارا کر سکتا ہے تو اس کے والدین کو باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانے کا اختیار دیا گیا ہے تاکہ باپ پر بلا ضرورت مزید بوجھ نہ پڑے اور اگر اس کے برعکس بچہ کی جسمانی صحت کسی کمزوری وغیرہ کی بنا پر دوسال کے بعد بھی ماں کے دودھ کا تقاضا کرتی ہے تو باہمی مشورہ سے اسے دودھ پلانے کی اجازت واختیار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول میں گزشتہ سطور میں نقل کر چکا ہوں ان یفطماء قبل الحولین و بعده (تفسیر ابن جریر ج٢ص٣٠٢) گویا حولین کاملین ضروری نہیں اور مالکیہ کے نزدیک بھی دو برس کے بعد ایک ماہ تک مدت رضاعت باقی رہتی ہے۔ (عین الہدایہ ج٢ص١٢٤)

جواب نمبر ۷:

یہاں تک تو بحث تھی کہ یہ مسئلہ خالص اجتہادی ہے اور امام ابوحنیفہ ؒ کے اجتہاد کے لیے بھی قرائن موجود ہیں۔ باقی رہا مسئلہ اس اجتہادی اختلاف میں مفتی بہ قول کا؟ تو فقہ حنفی میں مفتی بہ قول صاحبین (قاضی ابو یوسف اور امام محمد) کا قول ہے، چنانچہ فتح القدیر اور ردالمحتار میں یہ صراحت موجود ہے والاصح قولھما یعنی صاحبین کا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت ملاجیون ؒ فرماتے ہیں کہ ”رضاع کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، اس کے بعد کا اعتبار نہیں“۔ (تفسیرات احمدیہ ص۱۷۳، اردو) مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ ”مدت رضاعت کی دو سال ہے علی الاصح المفتی بہ“ (تذکرۃ الرشید ج۱ ص۱۸۵) ”اگر بعد دو برس تمام ہونے کے دودھ پیا ہے تو اس دودھ سے رضاعت ثابت نہیں ہوئی کہ مدت ثبوت حکم رضاعت کی دو سال ہے“ (فتاویٰ رشیدیہ ص۴۷۴) مولانا اشرف علی تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ ”جمہور کے نزدیک اقل مدت حمل چھ ماہ اور اکثر مدت رضاع دو سال ہے، مجموعہ اڑھائی سال“ (بیان القرآن ج۱۱ ص۸) علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ فرماتے ہیں کہ ”جمہور کے نزدیک مدت دودھ پلانے کی دو ہی سال ہے“ (تفسیر عثمانی ص۵۳۴) مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ فقہ حنفی میں جمہور فقہائے احناف کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق مدت رضاعت دو سال ہی ہے۔

ضروری وضاحت:

غیر مفتی بہ قول کے بارے میں، میں گزشتہ سطور میں وضاحت کر چکا ہوں کہ ایسے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ محترم! یہ حقیقت ذہن نشین رکھتے ہوئے غور فرمایئے کہ جس قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں اس پر تنقید کرنا کیونکہ درست ہوگا اور پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ آپ بقلم خود تنقید ہم پر کر رہے ہیں اگر ہم اس غیر مفتی بہ قول کو درست مانتے ہیں اور اس پر فتویٰ دیتے ہیں تو پھر یہ تنقید ہم پر ہوگی ورنہ آپ کی یہ تنقید بہرحال امام ابوحنیفہ ؒ پر ہے اور

مجتہد پر تنقید کے انجام سے آپ بے خبر نہیں۔

جواب نمبر ۸:

بعض حضرات کے نزدیک امام اعظم ؒ کا اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے، جیسا کہ علامہ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ وعن ابی حنیفة روایته اخری کقول ابی یوسف ومحمد (زادالمعاد ج۲ ص۳۳۰ بحوالہ فتح المبین ۲۰۵) یعنی امام ابوحنیفہ ؒ کا ایک قول اس بارہ میں دو سال کا بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ امام اعظم کا رجوع بھی ثابت ہے لہٰذا اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔

جواب نمبر ۹:

بعض حضرات کے نزدیک امام اعظم ؒ کا اڑھائی سالہ مدت رضاعت کا قول مبنی بر احتیاط ہے، وہ امام اعظم اور صاحبین ؒ کے اقوال کو اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ دودھ پلانے کی دو سالہ مدت میں اتفاق ہے کہ اس میں دودھ بالاتفاق حلال ہے، اس کے بعد کی چھ ماہ کی مدت میں حلت حرمت کا مسئلہ ہے، امام اعظم ؒ کی تحقیق کے مطابق جائز و حلال ہے اور صاحبین کے نزدیک ممنوع حرام، گویا وہ دودھ مشکوک و مشتبہ قرار دیا گیا اور مشتبہ چیزوں سے بچنا بھی شرعاً ضروری ہے، جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے ”جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور جو شبہ والی چیزوں میں مبتلا ہوگا اس کے حرام میں بھی مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے“ (بخاری و مسلم) لہٰذا دودھ پلانے کی مدت کے بارے میں تو فتویٰ یہی ہوگا کہ وہ دو سال ہے، اس کے بعد مشتبہ اور خلاف تقویٰ ہے، لہٰذا گریز ضروری ہے، دوسری طرف چونکہ اسی دودھ پر نکاح کی حلت و حرمت کا مدار ہے، امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک دو سال کے بعد اڑھائی سال تک بھی کسی بچہ نے دودھ پی لیا تو رضاعت ثابت ہوگی اور رضائی رشتوں سے نکاح حرام ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دو سال کے بعد مدت رضاعت ثابت نہیں اس کے بعد جس بچہ نے دودھ پیا اس کی رضاعت

ثابت نہ ہوگی اور نہ رضاعی رشتے قائم ہوں گے اور نہ نکاح کہ حرمت ثابت ہوگی' گویا یہ رشتے مشکوک ومشتبہ قرار پا گئے اور نکاح کی حلت وحرمت بھی مشتبہ ہو کر رہ گئی لہٰذا از راہِ احتیاط اس حرمت کے ظاہر ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا تا کہ مشکوک ومشتبہ نکاح سے بھی محفوظ رہ سکے، چنانچہ حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب احتیاط پر مبنی ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۷۸۰) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "گو فتویٰ جمہور ہی کے قول پر ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ دودھ پلانے میں تو دوسال سے زائد نہ پلائیں اور کسی نے دوسال کے بعد پیا ہو تو نکاح میں احتیاط رکھیں"۔ (بیان القرآن ج۱۱ ص ۸)

جواب نمبر۱۰:

محترم! یہ تو تھے وہ جوابات جو میں نے بطورِ صفائی عرض کیے ہیں' لیکن اب آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو ہم پر یہ اعتراض کرنے کا شرعاً یا اخلاقاً کوئی حق حاصل ہے؟ کیونکہ اعتراض کرنے کا حق اخلاقاً اسے ہوتا جس پر خود وہ اعتراض وارد نہ ہوتا ہو' کسی بے نماز کو دوسرے بے نماز پر اعتراض اور تنقید کا حق نہیں' لیکن بڑی حیرت کی بات ہے کہ آپ ہم پر تو یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مدتِ رضاعت اڑھائی سال ہے جو خلاف قرآن وحدیث ہے' لیکن خود آپ کے مذہب ومسلک میں داڑھی والا بوڑھا بابا بھی کسی عورت کا دودھ پی سکتا ہے' اور اس سے حکمِ رضاعت بھی ثابت ہو جاتا ہے' ملاحظہ فرمائیے آپ کے مذہب ومسلک کے ترجمان قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ و یجوز رضاع الکبیر ولو کان ذا لحیته لتجویز النظر (الدرر البھیه ص۱۵۸) یعنی پردہ سے بچنے کے لیے ڈاڑھی والے آدمی کے لیے بھی کسی عورت کا دودھ پینا جائز ہے' اور اس سے حرمت رضاعت ظاہر ہو جائے گی' آپ کے مذہب ومسلک کے نامور محقق نواب نور الحسن خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گویا ارضاع کبیر بنابر تجویز نظر جائز ست' (عرف الجادی ص ۱۳۰) آپ کے ایک اور عظیم محسن جنہوں نے آپ جیسے حنفیت دشمنوں کو فقہ حنفی کے خلاف مواد

فراہم کیا ہے اور آپ ان کی کتب سے اعتراضات سرقہ کر کے اپنی شہرت کی دکان چمکا رہے ہیں۔ مولوی محمد جونا گڑھی فرماتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت کا یہی (یعنی ڈاڑھی والا بھی دودھ پی سکتا ہے) فتویٰ ہے (فتاویٰ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۶۰) نیز فرماتے ہیں کہ کیا عجب یہی مسلک سب سے زیادہ قوی ہو' ہمارے شیخ (ابن قیم) رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی جانب مائل تھے۔ (ایضاً ص ۶۱)

محترم! غور فرمائیے ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہادی اور قیاسی طور پر دوسال کے بعد صرف چھ ماہ کی مدت کو رضاعت میں داخل کیا تو آپ چیخ اٹھے' لیکن آپ کے اکابر بوڑھے کے لیے بھی یہ گنجائش پیدا کر رہے ہیں اور پھر اسے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ بھی قرار دے رہے ہیں' ہمارے ہاں اڑھائی سالہ مدت رضاع کا قول غیر مفتیٰ بہ ثابت ہونے کے باوجود آپ ہمیں مخالف قرآن وحدیث ثابت کرنے پر مصر ہیں' لیکن آپ کے اکابر کے نزدیک بوڑھا دودھ پیئے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

اعتراض نمبر۲:

آپ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۲ میں ہے' لڑکے اور لڑکی کا عقیقہ مکروہ ہے' فقہ حنفیہ کا یہ مسئلہ حدیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

جواب نمبر۱:

تکذیب حدیث کے الزام سے برأت اور مخالفت حدیث کا الزام' یہ بھی آپ کی غیر عقلمندانہ دوغلی پالیسی کا دلچسپ نمونہ ہے۔

جواب نمبر۲:

یہ بھی ایک اجتہادی مسئلہ ہے' علامہ عبدالرحمٰن دمشقی فرماتے ہیں کہ والعیقة سنة مشروعة عند مالك والشافعی وقال ابو حنیفة بی مباحثة ولا اقول انها سنة مستحبة وعن أحمد روایتان اشھرھما انها سنة والثانیة انها واجبة۔

(رحمة الامة ص ۱۵۱)

یعنی عقیقہ امام مالک وامام شافعی کے نزدیک سنتِ موکدہ ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک سنت

نہیں مباح ہے' اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق واجب اور دوسرے قول (جو مشہور ہے) کے مطابق سنت ہے' اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر۳:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں بھی روایتی بددیانتی کی ہے' پوری عبارت اس طرح ہے:
پسر ودختر کی طرف سے عقیقہ کرنا یعنی ولادت سے ساتویں روز بکری ذبح کر کے لوگوں کی ضیافت کرنا اور بچہ کے بال اتروا دینا سو یہ مباح ہے، نہ سنت ہے نہ واجب، اور امام محمد نے عقیقہ کے حق میں ذکر کیا ہے کہ جس کا جی چاہے کرے' جس کا جی چاہے نہ کرے، اس سے مباح ہونے کی طرف اشارہ ہے، سنت ہونے سے مانع ہے، اور جامع صغیر میں ہے کہ نہ پسر کی طرف سے عقیقہ کیا جائے نہ دختر کی طرف سے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے یہ بدائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے۔ (عالم گیری مترجم ج۹ص۱۰۱)

آپ نے صرف جلی قلم کی عبارت کا عربی متن نقل کیا ہے اور بقیہ ساری عبارت سعودی ریال سمجھ کر بلا ڈکار ہضم کر گئے ہیں جس میں اباحت کا مفتی بہ قول موجود ہے اس کے بعد امام محمد ؒ کے اباحت وکراہت کے دو قول نقل کیے گئے دیکھنا یہ ہے کہ امام محمد ؒ کا راجح قول کون سا ہے؟ امام طحاوی ؒ فرماتے ہیں کہ قال محمد فی الاملاء العقیقة تطوع (اختلاف الفقہاء ج۱ص۸۹) یعنی امام محمد ؒ کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے' اس حقیقت حال کے بعد بھی آپ کا اعتراض حنفیت دشمنی پر مبنی نہیں تو کیا ہے؟

جواب نمبر۴:

اب آیئے اس حقیقت کی طرف کہ کیا واقعی فقہ حنفیہ میں عقیقہ مباح یا مستحب ہے' مکروہ نہیں؟ علامہ محمد انور شاہ کشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ والحق ان مذهبنا استحباب السابع بعد یوم الولادة (العرف الشذی ص۴۷۸) حق یہ ہے کہ ہمارے مذہب حنفی میں بچہ کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ مستحب ہے' علامہ شامی ؒ فرماتے ہیں کہ ان

العقیقة مباحة علی ما فی جامع المحبوبی التطوع علی ما فی الشرح الطحاوی (شامی ج۵ ص۲۳۰) عقیقہ یا تو مباح ہے جیسے جامع المحبوبی میں ہے یا مستحب ہے جیسے شرح طحاوی میں ہے' مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام صاحب ؒ سے یہ روایت ہے کہ عقیقہ مباح ہے' پس مباح میں ثواب جب ہوتا ہے کہ وہ عبادت کی نیت سے کیا جائے' پس امام صاحب ؒ کے قول سے مراد یہ ہے کہ جیسا واجب میں ثواب ہوتا ہے وہ اس میں نہیں رہا اور سب ائمہ (احناف) ؒ کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۵۵۴) مفتی کفایت اللہ دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ عقیقہ واجب نہیں سنت ہے' وسعت ہو تو عقیقہ کرنا اولی وافضل ہے۔

(کفایت المفتی ج۸ص۲۶۵)

مفتی عزیز الرحمٰن ؒ فرماتے ہیں کہ صحیح ایں است کہ عقیقہ در مذہب حنفیہ مستحب است، وسنت، کمافی الشامی (فتاویٰ دار العلوم ج۱ص۷۱۶)

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ اس (عقیقہ کے) روز لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکری ذبح کرنا، اس کا گوشت کچا یا پکا کر تقسیم کرنا، بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے خیرات کرنا ثواب کے کام ہیں (بہشتی زیور ج۶ ص۱۲)

شاہ ولی اللہ الحنفی ؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ملا علی قاری الحنفی ؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور علامہ عینی الحنفی ؒ نے عمدۃ القاری میں عقیقہ کی مصلحتوں اور حکمتوں پر باقاعدہ بحث فرمائی ہے۔

جواب نمبر۵:

عقیقہ کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ؒ کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔ امام احمد ؒ کے دوسرے قول کے مطابق واجب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ (مالا بدمنہ ص۱۶۳)

آپ کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ عقیقہ جمہور کے نزدیک سنت اور امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۴۴۶)

جواب نمبر ۶:

بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ ؒ کی طرف عقیقہ کے بدعت ہونے کی نسبت کی ہے، علامہ عینی ؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ والذی نقل عنه انها بدعة عند ابی حنیفة هذا افتراء فلایجوز نسبته الی ابی حنیفة قال لیست بسنته موکدة۔ (عمدة القاری ج۹ ص ۱۱۷۔ وحاشیه بخاری ج۲ ص ۸۲۱)

یعنی امام ابوحنفیہ ؒ کی طرف عقیقہ کو بدعت قرار دینے کی نسبت خالص افترا ہے، ہاں وہ اسے سنت موکدہ نہیں مانتے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ فرماتے ہیں کہ امام ہمام کی طرف اس بدعت کی نسبت افترا ہے۔ (مالا بدمنہ ص ۱۶۳)

جواب نمبر ۷:

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی کی الناسخ والمنسوخ سے مجھ پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ امام ابوحنیفہ عقیقہ کو نہیں بلکہ اسم عقیقہ کو مکروہ جانتے ہیں۔
(فیض الباری ج ۴ ص ....)

جواب نمبر ۸:

باقی رہا مسئلہ اسم عقیقہ کے مکروہ ہونے کا تو حدیث میں ہے کہ سئل رسول اللہ ﷺ عن العقیقة فقال لا یحب الله العقوق کانه کره الاسم وقال من ولد له ولد فاحب ان ینسك عنه فلینسك عن الغلام شاتین وعن الجاریة شاة (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۔ نسائی ج ۲ ص ۱۶۷) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں فرماتا گویا آپ ﷺ نے اس عقیقہ کو ناپسند

فرمایا اور فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اگر پسند کرے تو بچہ کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، مولوی محمد جونا گڑھی نے بھی مسند احمد کے حوالہ سے اپنے فتاویٰ نبوی ﷺ میں ص ۸۹ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

جواب نمبر ۹:

مذکورہ روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عقیقہ کو لازم قرار نہیں دیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہو تو کرلو چاہو تو نہ کرو۔ اسی لیے یہ روایت نقل کرنے کے بعد علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ وہذا ینفی کون العقیقة سنة (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹) یعنی یہ حدیث عقیقہ کے سنت ہونے کی نفی کرتی ہے، اسی لیے فقہائے احناف کے نزدیک یہ مستحب ہے۔

جواب نمبر ۱۰:

باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک مکروہ سے مراد حرام ہے تو یہ بھی نرا دھوکہ ہے، مقدمہ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۵ میں ہے کہ کراہت جہاں مطلق ہے تو مراد کراہت تحریمی ہے ورنہ تنزیہی اور کبھی قرینہ کی دلالت سے تنزیہی مراد لیتے ہیں جیسا کہ علامہ نسفی اور صاحب بحرالرائق نے اسے نقل کیا ہے گویا اس میں قرینہ کو بھی دخل ہے لیکن آپ کے تمام تر قرائن کا عمل دخل تو فقہ حنفی کی عداوت کے لیے ہے اس کی حمایت میں تو آپ حقائق وشواہد سے انحراف وانکار میں کوئی شرم وعار محسوس نہیں کرتے۔

یوں گزر جاتے ہیں دانستہ بچا کر نظریں
بے وفائی میری الفت کا صلہ ہو جیسے

اعتراض نمبر ۳:

آپ کا تیسرا اعتراض یہ ہے "ہدایہ اولین ص ۱۵۶ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا ہے کہ نماز استسقاء کی جماعت مسنون نہیں، اگر لوگ اکیلے اکیلے پڑھیں تو جائز ہے فقہ حنفیہ کا یہ مسئلہ بھی احادیث صحیحہ وصریحہ کے سخت خلاف ہے۔

جواب نمبرا:

یہ اعتراض بھی آپ کے دوغلے پن کی بھرپور غمازی کرتا ہے، خدارا اب تو ظاہر و باطن کا فرق مٹا دیجیے۔

جواب نمبر۲:

عبارت نقل کرنے میں بھی آپ نے حسب عادت وروایت صریح غیر مقلدانہ بد دیانتی کی ہے، پوری عبارت اس طرح ہے قال ابو حنيفة رضی اللہ عنہ ليس فى الاستسقاء صلاة مسنونة فى جماعة فان صلى الناس وحدانا جاز و انما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالٰى فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا الاية ورسول الله ﷺ استسقى ولم ترو عنه الصلاة وقالا يصلى الامام ركعتين لما روى ان النبى ﷺ صلى فيه ركعتين كصلاة العيد رواه ابن عباس رضی اللہ عنہما قلنا فعله مرة وتركه اخرى فلم يكن سنة۔ (هدايه اولين ج ا ص۱۵۶) یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت استسقاء مسنون نہیں، اکیلے اکیلے (نوافل کی صورت میں) جائز ہے، کیونکہ طلب بارش دعا واستغفار ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا يرسل السماء عليكم مدرارا۔ (النوح: ۱۰) نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اپنے رب کے حضور استغفار کرو، وہ بخشنے والا ہے، تمہارے لیے آسمان سے بارش اتارے گا، حضور علیہ السلام کو بھی ان اوقات میں جماعت استسقاء پڑھاتے نہیں دیکھا گیا، صاحبین کے نزدیک حضور علیہ السلام سے دو رکعتیں نماز عید کی طرح مروی ہیں، اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ گویا حضور علیہ السلام سے یہ نماز پڑھنا اور ترک کرنا دونوں ثابت ہیں لہٰذا اسے سنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتفقوا على ان الاستسقاء مسنون واختلفوا هل ليس له صلاة ام لا فقال مالك والشافعي واحمد وصاحبا ابى

حنيفة تسن جماعة وقال ابو حنيفة لا تسن الصلاة بل يخرج الامام ويدعو فان صلى الناس وحدانا جاز (رحمة الامة ص ۸۳) یعنی استسقاء تو بالاتفاق مسنون ہے، البتہ اس کی باجماعت نماز کے بارے میں اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک جماعت مسنون ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت مسنون نہیں، بلکہ امام لوگوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلے اور دعا کرے لوگ اگر اپنی اپنی نماز (نوافل کی صورت میں) پڑھیں تو درست ہے۔

جواب نمبر۳:

مولانا سید امیر علی فرماتے ہیں کہ مصنف (ہدایہ) کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نفی مقید ہے، یعنی ایسی جماعت نہیں جو سنت ہو ہاں ایسی جماعت ہو سکتی ہے جو سنت نہ ہو جائز ہو (عین الہدایہ ج ا ص ۶۸۴)

جواب نمبر۴:

بخاری ج ا ص ۱۳۸، مسلم ج ا ص ۲۹۳ وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے طلب بارش کی درخواست کی گئی، تو آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ میں دعا فرمائی اور بارش شروع ہو گئی، امام صاحب کا استدلال یہی روایت ہے کہ استسقاء کے لیے جماعت شرط و ضروری نہیں۔

جواب نمبر۵:

بخاری ج ا ص ۱۳۷ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش کے لیے دعا مانگی۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ جماعت ضروری نہیں، استسقاء کے لیے دیگر شرعی ذرائع بھی موجود ہیں۔

جواب نمبر۶:

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۷۴ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء کے لیے نکلے اور

سوائے استغفار کے کچھ نہ کیا یعنی نہ نماز پڑھی اور نہ خطبہ دیا، جماعت استسقاء اگر مسنون ہوتی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبھی ترک نہ کرتے۔

جواب نمبر ۷:

علامہ عینی نے ابن ابی شیبہ سے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ مغیرہ بن عبداللہ نماز استسقاء پڑھنے لگا تو امام ابراہیم نخعی یہ کہہ کر واپس لوٹ آئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استسقاء کے لیے استغفار سے زائد کچھ نہیں کیا۔ (عین الہدایہ ج ۱ ص ۶۸۴)

جواب نمبر ۸:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ استسقاء کی حقیقت تو استغفار ہی ہے۔
(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۸۸)

جواب نمبر ۹:

مدارک و کشاف میں ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے قحط کی شکایت کی گئی تو آپ نے استغفار کا حکم دیا۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۸۶۸)

جواب نمبر ۱۰:

علامہ نووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استسقاء کے تین طریقے بیان کیے ہیں: ① دعا بغیر نماز کے۔ ② خطبہ اور فرض نمازوں کے بعد دعا یہ طریقہ پہلے سے افضل ہے۔ ③ جماعت استسقاء یہ پہلے دونوں طریقوں سے افضل ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۹۲) قطع نظر اس سے کہ افضلیت کس طریقہ کو حاصل ہے۔ یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ جماعت استسقاء سنت موکدہ نہیں۔

جواب نمبر ۱۱:

مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم فرماتے ہیں کہ جب بارش نہ ہو، قحط کے آثار ظاہر ہونے لگیں

تو بارش کے لیے دعا کرنا اور کثرت سے استغفار کرنا مسنون ہے، آنحضرت ﷺ عام معمول کے مطابق بارش کے لیے دعا فرماتے، کبھی جمعہ کے خطبہ میں، کبھی باہر کھلے میدان میں باجماعت نماز ادا فرماتے، خطبہ دیتے اور دعا کرتے۔ (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۲۳) مولانا سلفی مرحوم بھی استغفار کو ہی مسنون قرار دے رہے ہیں۔

جواب نمبر ۱۲:

مولانا سلفی مرحوم نے جماعت استسقاء کے بھی دو طریقے بیان کیے ہیں۔ ① نمازِ عید کی طرح بارہ تکبیرات سے دو رکعت۔ ② نمازِ جمعہ کی طرح قرأت بالجہر کے ساتھ دو رکعت
(رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۲۳)

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **واختلف من رای ان لها صلوة فی صفتها، فقال الشافعی واحمد مثل صلوة العید و یجهر بالقرأة وقال مالك صفتها رکعتان کسائر الصلاة ویجهر بالقرأة** (رحمة الامة ص ۸۳)

یعنی جماعت استسقاء کو مسنون قرار دینے والوں میں بھی اس کے طریقہ میں اختلاف واقع ہو گیا ہے، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ نماز عید کی طرح ہے اور امام مالک کے نزدیک نماز جمعہ کی طرح۔

محترم! ان میں سے مسنون طریقہ کون سا ہے؟ اور پھر خطبہ کے بارے میں بھی ان ائمہ میں اختلاف ہے، امام مالک و امام شافعی کے نزدیک خطبہ مسنون ہے اور امام احمد کے نزدیک صرف دعا و استغفار ہے۔

جواب نمبر ۱۳:

امام صاحب کے علاوہ باقی فقہاء احناف جماعت استسقاء کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔ (کبیری ص ۴۲۹، درمختار ج ۱ ص ۱۱۸) اختلاف فقط اتنا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک یہ جماعت مسنون نہیں، باقی فقہاء کے نزدیک مسنون ہے۔ یہی مفتی بہ قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

جواب نمبر۱۴:

شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۰۶، کبیری ص ۴۲۷ میں ہے امام صاحب کے نزدیک نماز استسقاء مستحب ہے، یعنی ناجائز وحرام نہیں۔

جواب نمبر۱۵:

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض متعصب لوگ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت استسقاء بدعت ہے حالانکہ ابوحنیفہ نے ہرگز اسے بدعت نہیں کہا، سنت ہونے سے انکار ضرور کیا ہے، جب ان کے نزدیک سنت نہیں تو احتمال ہے کہ شاید مستحب و جائز ہو اور منافع میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل سنت نہیں ہوجاتا جب تک کہ اس پر مواظبت ثابت نہ ہوجائے۔ (عین الہدایہ ج ۱ ص ۶۸۴)

اعتراض نمبر۴:

چوتھا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ درمختار میں ہے کہ مدینہ منورہ احناف کے نزدیک حرم نہیں یہ مسئلہ بھی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

جواب نمبر۱:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر احادیث صحیحہ کی صریح خلاف ورزی کا یہ الزام بھی آپ کے دوغلے پن کی عکاسی کرتا ہے۔

جواب نمبر۲:

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **وقتل صید حرم المدینة حرام و کذا قطع شجره وهل یضمن؟ للشافعی قولان، الجدید الراجع منهما لایضمن وهو مذهب ابی حنیفة والقدیم المختار انه یضمن بسلب القاتل والقاطع وهو مذهب مالك واحمد۔** (رحمة الامة ص ۱۴۰) یعنی حرم مدینہ میں

شکار اور قطع شجر کے بارے میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق (جو راجح بھی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق بھی) اس پر ضمان نہیں ہے، اور دوسرے قول کے مطابق (جو امام مالک و امام احمد کے موافق ہے) اس پر ضمان ہے، علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی فرماتے ہیں کہ **اتفق الشافعی ومالك واحمد** رحمہم اللہ **علی تحریم الصید حرم المدینة واصطیاده وقطع شجره وقال ابو حنیفة لا یحرم شیء من ذلك۔** (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی ج ۱ ص ۱۰۵)

یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ متفق ہیں کہ حرمِ مدینہ میں شکار اور قطع شجر حرام ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مختلف مسالک ہیں، پہلا مسلک امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کی طرح حرم نہیں، اس بارے میں فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم امر تعظیمی ہے امر حکمی نہیں، اسی لیے وہاں شکار اور قطع شجر جائز ہے جیسا کہ رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۸ میں ہے کہ حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر کی حرمت کے لیے دلیل قطعی چاہیے جو یہاں موجود نہیں دوسرا مسلک، امام زہری، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ منورہ حرم مکہ کی طرح ہے، جہاں نہ شکار درست ہے اور نہ قطع شجر البتہ اگر کسی نے شکار کرلیا یا درخت کاٹ لیا تو اس پر صرف استغفار ہے، ضمان کوئی نہیں۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۴۸۴) علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ **وقد اختلف القائلون بالتحریم فی حرم المدینة بالنسبته الی الضمان بالجزاء فعن احمد روایتان وللشافعی ایضا قولان الجدید منهما عدم الضمان وهو قول مالك۔** (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۰۸) یعنی مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دینے والوں میں بھی قطع شجر اور شکار کے ضمان و جزاء میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ امام احمد و امام شافعی سے دو دو قول منقول ہیں، قول جدید عدم ضمان کا ہے اور یہی قول امام مالک کا بھی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ:

امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر بغیر ضمان کے حرام ہے۔(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۸۸)

تیسرا مسلک امام محمد بن ابی ذئب کے نزدیک حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر سے ضمان لازم آئے گا، اس اختلاف سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خالص ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر۳:

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ مدینہ کو میں نے حرام کیا اس سے حرمت تعظیمی مراد ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث مسلم میں آپ نے فرمایا کہ مدینہ کے درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں سوائے جانوروں کے کھلانے کے لیے حالانکہ حرم مکہ کے درختوں کے پتے کسی صورت بھی جھاڑنے جائز نہیں، باقی رہا شکار مدینہ کا تو اگرچہ چند صحابہ نے اس کو حرام کہا ہے، لیکن جمہور صحابہ نے اسے حرام نہیں کہا، اور شکار مدینہ کی حرمت پر کوئی قابلِ اعتماد حدیث بھی ثابت نہیں۔(مرقات بحوالہ فتح المبین ص ۱۶۵)

جواب نمبر۴:

آپ کو شکوہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حرم مدینہ کے درخت کاٹنے کو حرام قرار نہیں دیتے، لیکن آپ کے اکابر تو روضہ رسول ﷺ کو منہدم کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں جیسا کہ نواب نورالحسن خان فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں پر واجب ہے کہ پیغمبر و غیر پیغمبر میں تفریق کیے بغیر سب کی قبریں زمین کے برابر کردیں۔(عرف الجادی ص ۶۰) نعوذ باللہ من ذلک۔

محترم! حرم مدینہ کے درخت کاٹنا زیادہ سنگین جرم ہے یا روضہ اقدس کا انہدام؟ قطع شجر کے جواز کا فتویٰ قابل گرفت ہے یا انہدام روضہ رسول ﷺ کے وجوب کا فتویٰ؟ فاعتبروا اولی الابصار۔

جواب نمبر۶:

محترم! آپ حرم مدینہ کا ذکر لیے بیٹھے ہیں۔ آپ کے نواب صدیق حسن خان تو فرماتے

ہیں کہ اگر حرم مکہ میں شکار کیا یا درخت کاٹا تو سوائے گناہ کے کوئی جزا نہیں۔

(الروضۃ الندیہ ج ۲ ص ۱۶۸)

اعتراض نمبر۵:

آپ کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ میں ج ۱ ص ۱۴۸ میں ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، یہ مسئلہ بھی قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہے۔

جواب نمبر۱:

احناف کا یہ موقف محض قیاسات وقرائن پر مبنی نہیں بلکہ ایسے حقائق وشواہد پر مبنی ہے جس پر خلفائے راشدین کا مسلسل عمل موجود ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع وكان يعد الامصار البصرة والكوفة والمدينة والبحرين۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۶۸، نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۳۴، مصنف ابن شیبۃ ج ۲ ص ۱۰۱، سنن الکبری ج ۳ ص ۲۷۹، محلی بن حزم ج ۵ ص ۵۳) یعنی جمعہ اور عید، بصرہ، کوفہ، مدینہ اور بحرین جیسے بڑے شہر میں ہی جائز ہے، اس اثر کو حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۲۲، فتح الباری ج ۲ ص ۳۸، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۶۴ اور فتاویٰ علمائے حدیث ج ۴ ص ۱۴۱ میں صحیح تسلیم کیا گیا ہے، علامہ انور کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۳۱)

جواب نمبر۲:

کبیری ص ۵۴۹ میں ہے کہ علی بن ابی طالب، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، ابراہیم نخعی، مجاہد، محمد بن سیرین اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک چھوٹی بستیوں میں جمعہ درست نہیں، خدا معلوم پھر آپ کے نزدیک مجرم تنہا احناف ہی کیوں ہیں؟

جواب نمبر۳:

عہد نبوی ﷺ میں سنہ ۹ ہجری تک صرف تین مقامات میں جمعہ ہوتے تھے۔ ① مدینہ

منورہ، ② مکہ مکرمہ، ③ جواثی۔

جواب نمبر۴:

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھتیس ہزار چھوٹے بڑے شہر فتح کیے، لیکن جمعہ صرف نوسو مقامات پر جاری فرمایا۔ (ازالۃ الخفاج ۲ص ۶۵)

جواب نمبر۵:

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ، آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ **یجمعون البلدان ولا یواخذون اھل البدو** شہروں میں جمعہ قائم کرتے تھے اور گاؤں والوں سے تعرض نہ کرتے تھے اور نہ ان کے عہد میں دیہات کے اندر جمعہ قائم کیا جاتا تھا اس کے بعد قرن بعد قرن لوگ یہ بات سمجھ گئے کہ جمعہ کے لیے جماعت اور شہریت شرط ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ص ۵۳۳)

جواب نمبر۶:

مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم عورت، بیمار، مسافر، غلام، معذار بچوں کو جمعہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۱۷) حالانکہ طبرانی فی الاوسط میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل بادیہ (یعنی گاؤں والوں) کو بھی جمعہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

جواب نمبر۷:

مولانا سلفی مرحوم فرماتے ہیں کہ جمعہ کی شرائط میں گاؤں یا شہر کا تذکرہ بے فائدہ ہے، جہاں مناسب اجتماع ہو سکے، کام کا خطیب مل سکے، جمعہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، گاؤں یا شہر کی بجائے خطیب کی صلاحیت پر بحث ہوتی تو معقول بات سمجھی جاتی۔
(رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۱۸)

مناسب اجتماع اور خطیب کی شرائط کون سی نص صریح سے ثابت ہیں؟ پھر مناسب اجتماع کی تعریف کیا ہوگی؟ صلاحیت خطیب کی شرعی شرائط کیا ہوں گی؟ صرف یہی کہ وہ امام اعظم

اور فقہ حنفی کے خلاف تبرابازی کا غیر مقلدانہ کورس مکمل کر چکا ہو؟

اعتراض نمبر۶:

چھٹا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ شامی ج ۲ص ۶۸۴ میں ہے کہ مرد انتہائے مغرب میں اور عورت انتہائے مشرق میں ہو، دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت کا فاصلہ ہو ان کا نکاح ہو جائے، نکاح کے چھ ماہ بعد عورت بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا۔

جواب نمبر۱:

یہ مسئلہ آخر کون سے حکم قرآنی اور کس فرمانِ نبوی ﷺ کے خلاف ہے؟ آپ نے اس کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔

جواب نمبر۲:

محترم! ذرا غور کر کے جواب دیجیے اور مفتیان جامعہ اثریہ سے مشورہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں کہ مذکورہ صورت میں باپ اگر بچہ کے نسب سے انکار نہیں کرتا تو کسی تیسرے شخص کے پاس کون سا شرعی جواز ہے کہ وہ اس سے انکار کرے، کیونکہ نسب تو مرد کے اقرار سے ہی ثابت ہوگا، فقہا نے یہ کہاں لکھا ہے کہ مرد کے انکار کے باوجود بھی بچہ کا نسب ثابت رہے گا؟

جواب نمبر۳:

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ تو اس سے انکار صرف منکر کرامات کے ذہن میں ہی آ سکتا ہے کیونکہ فقہا نے صراحت کی ہے کہ کرامتاً خاوند کا بیوی کے پاس یا بیوی کا خاوند کے پاس پہنچ جانا ممکن ہے، اور کرامتاً مہینوں و سالوں کا سفر لمحوں میں طے کر لینے کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے، سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے کہا **ان اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** (النحل: ۴۰) میں پلک جھپکنے کی دیر میں تخت بلقیس لے آؤں گا، چنانچہ وہ لے آیا اس سے ثابت ہوا کہ کرامتاً ایسا ممکن ہے۔

جواب نمبر۴:

آپ کے معروف بزرگ مولوی عنایت اللہ اثری اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وہ بچہ اس لیے صحیح النسب ہے کہ بطور کرامت، استخدام الجن سے دونوں (میاں بیوی) کا ملاپ ممکن ہے، کہ وہ اس کے پاس گئی ہوگی یا وہ اُس کے پاس آیا ہوگا۔ (عیون زمزم ص ۱۹)

جواب نمبر۵:

آپ کے محسن بزرگ مولوی محمد جونا گڑھی حدیث الولد للفراش وللعاہر الحجر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

بچہ صاحبِ فراش کو (یعنی خاوند) ملے گا۔ کیونکہ فراش کے عمل کا موجب یہی ہے پس لازمی ہے کہ آپ کے اس حکم اور فتویٰ کو یونہی تسلیم کرلیا جائے۔ (فتاویٰ نبوی ص ٦٧) سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ طلاق کے بعد عدت میں کسی غیر سے وطی کی تو بچہ خاوند کا ہوگا۔ الولد للفراش (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۱۰۷) صلائے عام ہے فضلاءِ مدینہ یونیورسٹی کے لیے طلاق کے بعد بھی بچہ ثابت النسب ہوگا۔

جواب نمبر٦:

خاوند اگر بیوی پر زنا کی تہمت لگا کر بچہ کے نسب سے انکار کرے تو اس کے لیے لعان کا حکم قرآنی موجود ہے۔ مشکوۃ باب اللعان میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسے ایک جھگڑا میں لعان کے بعد بچہ ماں کے حوالہ کردیا۔

اعتراض نمبر۷:

آپ کا ساتواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اخیرین ص ۴۸ میں ہے گندم، جو، شہد اور مکئی سے بنائی گئی شراب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے۔

اعتراض نمبر۸:

آپ کا آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اخیرین ص ۴۸۱ میں ہے عصیر انگور کو جب پکایا جائے یہاں تک کہ اس کا دو تہائی ختم ہو جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے ایسی (انگوری شراب) امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک حلال ہے۔ اور امام محمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک حرام ہے۔ یہ اختلاف اس لیے ہے کہ جب (شراب) پینے والے کا ارادہ طاقت حاصل کرنے کا ہو۔ الخ۔

نوٹ:

بریکٹ میں آپ نے شراب اور انگوری شراب کا الفاظ کا اضافہ کر کے صرف خبث باطن کا ہی نہیں بھرپور جہالت کا بھی ثبوت دیا ہے۔

جواب نمبر۱:

مولانا سید امیر علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شراب چار قسم پر ہے۔ ① خمر وہ شیرہ انگور جو جوش لا کر تندی اور سختی لائے اور جھاگ چھوڑے۔ ② طلاء وہ شیرہ انگور جو پک کر دو تہائی سے کم اڑ جائے۔ ③ سکر نقیع التمر، جب کہ جوش کھا کر سختی لائے۔ ④ نقیع الذبیب، جب کہ جوش کھا کر سختی لائے۔ (عین الہدایہ ج ۴ ص ۳۳۸)

جواب نمبر۲:

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الاشربہ میں صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ روایت منقول ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خمر ان دونوں درختوں سے ہے اور اشارہ انگور اور خرما کی طرف کیا" گویا تحریم ان دونوں کے ساتھ خاص کی گئی، ان کے علاوہ باقی چیزوں کے لیے نبیذ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (عین الہدایہ ج ۴ ص ۳۸۸) علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی فرماتے ہیں کہ واما نبیذ الحنطة والشعیر الذرة والعسل والازر فانه حلال

عندہ نقیعا ومطبوخا وانما یحرم للمسکر منہ و یحدفیہ۔ (رحمۃ الامۃ ص ۳۷۴) یعنی نبیذ ہر چیز کی امام صاحب کے نزدیک حلال ہے۔ وہ پانی میں بھگوئی ہوئی ہو یا پکی ہوئی، البتہ اگر اس میں نشہ آ جائے تو حرام ہے اور پینے والے پر حد ہے۔

جواب نمبر ۳:

کتبِ فقہ میں ان کے لیے الگ الگ باب ہیں حتی کہ صاحب ہدایہ نے بھی پہلے خمر کے احکامات بیان فرمائے ہیں کہ اس کی حرمت قطعی ہے، اس لیے پینے والے پر حد ہے، عین خمر حرام ہے اور علت نشہ سے معلول نہیں، نجاست غلیظہ ہے، اس کو حلال جاننے والا کافر ہے وغیرہ۔
ان کے بیان کرنے کے بعد صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہذا ہو الکلام فی الخمر یعنی یہ خمر کا بیان تھا جو ختم ہوا اس کے بعد وہ دوسری چیزوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی فرماتے ہیں کہ اجمع الائمة علی تحریم الخمر ونجاستها وان شرب کثیرها وقلیلها موجب للحد وان من استحلها حکم بکفر واتفقوا علی ان عصیر العنب اذا اشتد وقذف زیده فهو خمر، واختلفوا فیه اذا مضی علیه ثلاثة ایام ولم یشتد ولم یسکر فقال احمد اذا مضی علی العصیر ثلاثة ایام صار خمرا وحرم شربه وان لم یشتد ولم یسکر، وقال ابو حنیفة ومالك والشافعی لا یصیر خمرا حتی یشتد و یسکر یقذف زیده (رحمۃ الامۃ ص ۳۷۳)
یعنی خمر کے حرام ونجس ہونے پر سب ائمہ کا اجماع ہے، تھوڑی یا زیادہ پینے والے پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ انگور کا شیرہ جب سختی لے آئے اور جھاگ چھوڑے تو وہ خمر ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس پر تین دن گزر جائیں، نہ وہ سختی لائے اور نہ نشہ تو اس کا کیا حکم ہے امام احمد کے نزدیک وہ پھر بھی خمر ہے اور اس کا پینا حرام ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نہ وہ خمر ہے اور نہ اس کا پینا حرام ہے۔

جواب نمبر ۴:

باقی رہا امام ابوحنیفہ پر یہ اعتراض کہ وہ شیرہ انگوری کے دوتہائی جل جانے پر بھی اسے حلال قرار دیتے ہیں تو جناب اہل حدیث صاحب اگر یہ اعتراض کرنے سے قبل کتب حدیث اور عمل صحابہ کا مختصر جائزہ لے لیا ہوتا تو یقیناً آپ کی جہالت بے نقاب نہ ہوتی۔
علامہ عبدالرحمٰن الشافعی فرماتے ہیں کہ واتفقوا علی ان المطبوخ من عصیر العنب اذا ذهب اقل من ثلاثة فانه حرام وانه اذا ذهب ثلثاء فانه حلال مالم یسکر فان اسکر حرم کثیره و قلیله (رحمۃ الامۃ ص ۳۷۴) شیرہ انگوری جب پک کر ایک تہائی سے کم رہ جائے تو بالاتفاق حرام ہے، اور اگر ایک تہائی رہ جائے بالاتفاق حلال ہے بشرطیکہ نشہ نہ کرے، اور اگر نشہ کرے تو تھوڑا بھی حرام ہے اور زیادہ بھی۔
محترم! اس کے حلت کا فتویٰ اس لیے ہے کہ اکابر صحابہ کا پینا ثابت ہے۔ ابوموسیٰ اشعری اور ابوالدرداءؓ طلاء مثلث پیتے تھے۔ (نسائی) عمر بن الخطاب، ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبلؓ طلاء مثلث پیتے تھے۔ بخاری ج ۱ ص ۸۳۸) براء بن عازب اور ابوجحیفہؓ طلاء نصف پیتے تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۳۸) امام ابوداؤد نے امام احمد سے طلاء مثلث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: لاباس بہ اس میں کوئی حرج نہیں، کہا لوگ کہتے ہیں نشہ کرتا ہے۔ فرمایا: لو کان یسکر لما احله عمر اگر نشہ پیدا کرتا تو عمرؓ اسے حلال نہ کرتے۔ (شرح کنز بحوالہ فتح المبین ص ۲۱۹)
محترم! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرنے سے قبل مذکورہ صحابہ پر کوئی فتویٰ صادر کیجیے۔
وہ بھی انگوری شراب (بقول آپ کے) حلال نہیں سمجھتے، پیتے بھی ہیں، طحاوی ج ۲ ص ۳۵۹ میں ہے عمرؓ نبیذ پیتے تھے، رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۱ میں ہے کہ عمر، علی اور ابن مسعودؓ جیسے اصحاب بدر نبیذ شدید کو حلال قرار دیتے تھے، اسی طرح امام شعبی اور

ابراہیم نخعی بھی اسی لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے ساری دنیا بھی دے دی جائے تو
میں حرمتِ نبیذ کا فتویٰ نہ دوں گا۔ کیونکہ بعض صحابہ کا نبیذ پینا ثابت ہے اس سے نعوذ باللہ
تعالیٰ ان کو فسق کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اور اگر مجھے ساری دنیا مل جائے تو میں نبیذ نہیں
پیوں گا کیونکہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ (معراج الدرایہ بحوالہ فتح المبین ص ۲۲۱)
جناب والا! ابوحنیفہ کے کمال فراست کا بھی جائزہ لیجیے اور اپنے کمال جہالت کا بھی، رد
المحتار ج ۵ ص ۲۵۳ میں ہے قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نشہ کا
ارادہ کر کے نبیذ پیئے گا تو قلیل و کثیر دونوں حرام ہو جائیں گے۔

اعتراض نمبر ۹:

آپ کا نواں اعتراض یہ ہے کہ قاضی خان ج ۳ ص ۴۶۸ میں ہے کہ اگر کوئی آدمی
محرماتِ ابدیہ جیسے بیٹی، بہن، ماں، پھوپھی اور خالہ سے نکاح کرے اور اس سے جماع
کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں۔

جواب نمبر ۱:

محترم! آپ کا فرض تھا کہ اعتراض کرنے کے بعد اس کی حد نص صریح کے حوالہ سے نقل
کرتے، لیکن آپ نے حد نقل نہیں کی۔

جواب نمبر ۲:

طحاوی ج ۲ ص ۷۳ میں ہے سوتیلی ماں سے نکاح کی وجہ سے مرتد ہو گیا، کیونکہ اس نے
حرام کو حلال سمجھا، لہٰذا اس پر ارتداد کی سزا نافذ ہو گی اور یہ صرف عقدِ نکاح ہی سے نافذ ہو
جائے گی، اس کے لیے مباشرت شرط نہیں اور اگر اس نے یہ نکاح حرام سمجھ کر کیا تو مباشرت و
وطی کی صورت میں حد نافذ ہو گی، اسی طرح محرم سے بلا نکاح وطی کی تو بھی حد نافذ ہو گی یہی
امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کا مذہب ہے۔
محترم! ذرا غور فرمائیے کہ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں اول محرمات میں سے کسی کے ساتھ

نکاح کیا، اگر حلال اور جائز سمجھ کر کیا تو کافر و مرتد ہو گیا، لہٰذا اس پر ارتداد کی شرعی سزا نافذ ہو
گی اور اگر حرام و ناجائز سمجھ کر کیا تو اس کے لیے شرعاً کوئی حد اور سزا مقرر نہیں ہے، دوم نکاح
کے بعد اگر اس نے وطی و مباشرت بھی کر لی تو یہ زنا ہے۔ لہٰذا اس پر زنا کی حد جاری ہو گی،
سوم بغیر نکاح کے اگر کسی نے محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کر لیا تو اس پر بھی زنا کی حد
جاری ہو گی۔

جواب نمبر ۳:

باقی رہا مسئلہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص کے لیے قتل کی سزا کا حکم دیا ہے تو اس کے
بارے میں قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ اس نے فعل حرام کو حلال سمجھا جو کفر کے لوازمات میں
سے ہے، اس لیے اسے قتل کیا گیا۔ (نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۲۲) گویا یہ قتل کی سزا حد نہیں بلکہ
ارتداد کی سزا تھی۔ امام حافظ ابن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قتل کی سزا بطور سیاست و
تعزیر تھی۔ (فتح القدیر ص ۱۴۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف قتل کی سزا میں نہیں ہے،
بلکہ اس میں ہے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے یا تعزیر؟ درمختار ج ۳ ص ۱۷۹ میں ہے اسے تعزیراً قتل
کیا جائے گا۔ عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۸ میں ہے' اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی، طحاوی
ج ۲ ص ۹۷ میں ہے یہ زنا سے بڑا گناہ ہے' ولٰکن یجب فیہ التعزیر والعقوبة البلیغة
اس پر تعزیراً سخت ترین سزا واجب ہے۔ حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا:
ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے وہ کافر، مرتد اور واجب القتل ہے۔
(فتح القدیر ج ۵ ص ۴۲، طحاوی ج ۲ ص ۹۶)

جواب نمبر ۴:

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے ایما امراة نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها
باطل باطل باطل (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی) جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر
خود بخود نکاح کر لیا، اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: لا

نکاح الی بولی (ابن ماجہ ص ۱۳۶) ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے، بلکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ولا تزوج المراۃ نفسھا فان الزانیۃ ھی التی تزوج نفسھا (ایضاً ص ۱۳۶) عورت خود بخود (بغیر اذن ولی کے) نکاح نہ کرے بے شک خود بخود نکاح کرنے والی زانیہ ہے۔ ان فرامین نبوت کی روشنی میں آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ بغیر اذن ولی کے نکاح کرنے والی عورت جسے حضور علیہ السلام زانیہ قرار دے رہے ہیں اس کی شرعی حد کیا ہے؟ حدیث صحیح سے اس کا ثبوت چاہیے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

جواب نمبر۵:

آپ کے نامور بزرگ نواب نور الحسن خان ؒ فرماتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۱۳) سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ دادی کے ساتھ پوتے کا نکاح جائز ہے اس کی حرمت منصوص نہیں۔

(اخبار اہل حدیث رمضان ۱۳۸۸ھ بحوالہ معین الفقہ ص ۹۵)

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیاں غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

محترم! ابوحنیفہ ؒ نے تو نہ اس نکاح کو جائز قرار دیا، نہ اس کی حرمت منصوصہ سے انکار کیا اور نہ اس کی سزا سے انکار کیا، صرف اس سزا کا نام حد کی بجائے تعزیر رکھ دیا تو آپ نے آسمان سر پر اٹھا لیا، لیکن یہاں تو سب کچھ قرآن و حدیث کے نام پر ہو رہا ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ وضاحت فرما دیجیے۔

اعتراض نمبر۱۰:

آپ کا دسواں اعتراض یہ ہے کہ حاشیہ طحاوی ص ۹۰ میں ہے کہ بے شک خنزیر کی جلد دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر۱:

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی ؒ فرماتے ہیں کہ جلود المیتۃ کلھا تطھر بالدباغ الا جلد الخنزیر عند ابی حنیفۃ واظھر الروایتین عن مالک انھا لا تطھر لکنھا تستعمل فی الاشیاء الیابسۃ وفی الماء من بین سائر المائعات وعند الشافعی تطھر الجلود کلھا بالدباغ الا جلد الکلب والخنزیر وما تولد منھما او من احدھما وعن احمد روایتان اشھرھما لا تطھر ولا یباح الانتفاع بھا فی شیء کلھم المیتۃ وحکی عن الزھری انہ قال ینتفع بجلود المیتات کلھا من غیر دباغ (رحمہ الامۃ ۹) امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک خنزیر کے علاوہ ہر مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ امام مالک کی ظاہر روایت کے مطابق کسی مردار کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوتا، لیکن اس کو خشک و تر چیزوں کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک کتے، خنزیر اور ان کی نسل کے سوا باقی ہر مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ امام احمد کی مشہور روایت کے مطابق کسی مردار کا چمڑا نہ تو دباغت سے پاک ہوتا ہے اور نہ اس سے فائدہ حاصل کرنا درست ہے اور امام زہری کے نزدیک دباغت کے بغیر ہی ہر مردار کے چمڑے سے فائدہ اٹھانا درست ہے۔ امام بخاری بھی ہر مردار کے چمڑے کو قبل از دباغت پاک اور جائز الاستعمال قرار دیتے ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۹۶، فتح الباری ج ۴ ص ۲۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر۲:

مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایما اھاب دبغ فقد طھر جس چمڑہ کو بھی دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ آپ کے معروف غیر مقلد بزرگ مولانا شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

یہ حدیث اس شخص کے لیے دلیل ہے جو یہ کہتا ہے کہ دباغت ہر حیوان مردہ کے چمڑہ کو

پاک کرنے والی ہے، جیسے ایما کا عموم اس کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح لفظ اھاب اپنے عموم کے لحاظ سے حلال اور حرام ہر چمڑہ کو شامل ہے۔ (عون المعبود ج۴ ص۱۱۳)

محترم! قاضی ابو یوسف کی بجائے حدیث رسول ﷺ کی طرف توجہ دیجیے، خدا تعالیٰ آپ کو سمجھ عطا فرمائے آمین۔

جواب نمبر۳:

یہی مذہب قاضی شوکانی کا نیل الاوطار ج۱ ص۶۲ میں اور حافظ بن قیم کا زاد المعاد ج۲ ص۴۳ اور اعلام الموقعین ص۲۸ میں منقول ہے۔

جواب نمبر۴:

ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لے لیجیے، ابن حزم فرماتے ہیں خنزیر کی کھال پر نماز جائز ہے۔ (محلی ج۱ ص۱۱۸) نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں کہ خنزیر کے ناپاک ہونے پر آیت سے استدلال جائز نہیں۔ (بدور الاہلہ ص۱۵)

نواب نور الحسن خان فرماتے ہیں خنزیر کا خون پاک ہے۔ (عرف الجادی ص۱۰) نواب وحید الزمان خان فرماتے ہیں کہ جس چمڑہ کو دباغت دی جائے پاک ہو جاتا ہے۔ بعض اصحاب نے خنزیر اور آدمی کو مستثنیٰ کیا ہے۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مستثنیٰ نہیں۔ (نزل الابرار ج۱ ص۲۹) خدا معلوم آپ کے یہ سارے نواب آپ کے خلاف کیوں یک زبان ہیں؟ مولوی عنایت اللہ اثری فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام وادی مقدس میں اللہ پاک سے ہم کلام ہوئے تو آپ کی جوتی اتروادی گئی کیونکہ وہ مردہ گدھے کے غیر مدبوغ چمڑہ سے تیار شدہ تھی۔ (حصول تیسیر البیان ص۶۹)

اعتراض نمبر۱۱:

آپ کا گیارھواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اولین ص۲۴ میں ہے کہ جو چیز دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے۔ الخ

جواب نمبر۱:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں دجل وتلبیس اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔ عبارت کے درمیان سے وضاحتی جملہ ہضم کر گئے ہیں، عبارت میں یہ وضاحتی جملہ صاف موجود ہے۔ **لانه يعمل عمل الدباغ فی ازالته الرطوبات النجسة** اس لیے کہ دباغت کا عمل رطوبات نجسہ زائل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **ان الدباغ لا یزید فی التطهیر علی الذکاة** (فتح الباری ج۹ ص۵۲۱) یعنی دباغت طہارت کے عمل میں ذبح سے زیادہ فائدہ نہیں دیتی، بلکہ نسائی میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **ذکاة المیتة دباغها۔** مردار کو ذبح کرنا اس کو دباغت دینا ہے اور دوسری روایت میں ہے **دباغها ذکاتها** دباغت اس کی اس کو ذبح کرنا ہے، اور طہارت میں اصل ذبح ہے، دباغت اس کے قائم مقام ہے، کیا اس کے بعد بھی اعتراض کی کوئی گنجائش باقی ہے؟

جواب نمبر۲:

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **والذکاة لا تعمل شیئا فیما لا یوکل عند الشافعی واحمد واذا ذکیت صارت میة وعند مالك تعمل الا فی الخنزیر واذا ذکی عنده سبع او کلب فجلده ظاهر یجوز بیعه والوضوء فیه وان لم یدبغ وکذا عند ابی حنیفة۔** (رحمة الامة ص۹) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حرام جانور کو ذبح کرنے کا عمل کچھ فائدہ نہیں دیتا، امام مالک کے نزدیک خنزیر کے علاوہ باقی کسی بھی جانور کو ذبح کرنے سے جلد یعنی چمڑا اس کا بغیر دباغت کے پاک ہو جاتا ہے، اس کو بیچنا بھی جائز ہے۔ اور اس میں وضو بھی درست ہے۔ اور یہی مذہب ومسلک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

جواب نمبر۳:

باقی رہا مسئلہ اس کے گوشت کے پاک ہونے کا تو مفتی بہ قول کے مطابق وہ گوشت پاک نہیں ہوتا مراقی الفلاح ص ۹۷ میں ہے فلا یطہر علی اصح ما یفتی به مفتی بہ اور زیادہ صحیح قول کے مطابق حرام جانوروں کا گوشت ذبح سے پاک نہیں ہوتا۔ علامہ عبدالحئ لکھنوی حاشیہ ہدایہ ص ۲۵ میں اور حافظ ابن ہمام فتح القدیر ص ۳۹ میں فرماتے ہیں قال کثیر من المشائض انه یطهر جلده لا لحمه وهو الاصح واختاره الشارحون کصاحب العنایة وصاحب النهایة وغیرهما یعنی اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ذبح سے چمڑا تو پاک ہو جاتا ہے گوشت نہیں، اسی کو صاحب عنایہ اور صاحب نہایہ وغیرہ اکثر شارحین نے اختیار کیا ہے۔ کبیری ص ۱۴۴ میں ہے الصحیح ان اللحم لا یطهر بالذکاة صحیح یہی ہے کہ ذبح سے گوشت پاک نہیں ہوتا، درمختار میں ہے لا یطهر لحمه علی قول الاکثر ان کان غیر ماکول هذا اصح مایفتی به صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق گوشت پاک نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر۱۲:

آپ کا بارہواں اعتراض یہ ہے کہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۴ میں ہے (حق مہر) میں شراب اور خنزیر کا دینا صحیح (جائز) ہے۔

جواب نمبر۱:

لعنة الله علی الکاذبین شاید ائمہ محدثین نے کذاب وضاع الحدیث اور دجلا من الدجاجلہ جیسی اصطلاحات آپ جیسے فضلاء مدینہ یونیورسٹی کے لیے وضع کی ہیں؟ غیر مقلدیت کا یہی تو کمال ہے کہ اسے جھوٹ بولتے ہوئے ذرہ برابر شرم اور عار محسوس نہیں ہوتی۔

محترم! آپ کے اس دجل سے تو یقیناً مرزا قادیانی بھی کانپ اٹھا ہوگا۔ آیئے ذرا اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے اور اپنے فریب ترجمہ ومفہوم کا جائزہ لیجیے۔ اصل عبارت یہ ہے وصح النکاح بلا ذکر مهر و مع نفیه و بخمر وخنزیر۔ (شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۱) یعنی نکاح صحیح ہے حق مہر کا ذکر کیے بغیر یا اس کی نفی کر کے یا شراب اور خنزیر کے ساتھ حق مہر کر کے۔

محترم! اپنی عربی دانی کا جائزہ لیجیے آخر آپ کہاں کہاں مدینہ یونیورسٹی کا نام اپنی جہالتوں سے روشن کریں گے؟

جناب والا! عبارت کا مطلب یہ نہیں کہ شراب اور خنزیر حق مہر میں دینا صحیح ہے' بلکہ اس کا مفہوم ومطلب یہ ہے کہ حق مہر میں شراب وخنزیر اگر مقرر کیا جائے تو نکاح صحیح ہے، باقی رہی آپ کی یہ الجھن کہ ان کے حق مہر مقرر کرنے سے نکاح کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ تو محترم حق مہر نکاح کے لیے شرط نہیں ہے، اگر آپ نے اسی عبارت کے حاشیہ پر غور فرمالیا ہوتا تو ساری الجھن دور ہو جاتی، حاشیہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ فدل ذالك علی جوازه بدون ذکره لتعیینه وهو یشمل عدم الذکر مطلقا ونفیه ولما صح النکاح فی باتین الصورتین صح فی صورة ما اذا ذکر فی المهر مالا قیمة له کالخمر والخنزیر ونحوهما ما هو لیس بمتقوم شرعا (حاشیہ ۱۲ ج ۲ ص ۲۱) یعنی آیت "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فریضة" (البقرة: ۲۳۶) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حق مہر کی تعیین اور اس کی نفی کے بغیر بھی نکاح صحیح اور درست ہے، جب اس سے نکاح درست ہے تو ایسی صورت میں بھی نکاح درست ہوگا جب حق مہر میں ایسی چیز ذکر کر دی جائے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ۔

محترم! غور فرمایئے کہ شراب اور خنزیر کو حق مہر کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جا رہا' بلکہ اس کے ذکر کو عدمِ ذکر اور بلا قیمت چیز کی حیثیت سے گوارا کیا جا رہا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۳:

آپ کا تیرہواں اعتراض یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر ص ۸۵ میں ہے، شیخین اور دونوں دامادوں رضی اللہ عنہم کو گالی دینا بلکہ خلفاءِ راشدین کو قتل کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

جواب نمبر ۱:

یہاں بھی آپ نے عبارت نقل کرنے میں غیر مقلدانہ بددیانتی کا ثبوت دیا ہے، حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر یہ بحث فرما رہے ہیں کہ سبِّ شیخین وختنین رضی اللہ عنہم کو اگر کوئی شخص حرام و ناجائز سمجھ کر کرتا ہے تو وہ کافر و دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا **نعم لو استحل السب او القتل فهو كافر لامحالة** ہاں اگر حلال اور جائز سمجھ کر سب اور قتل کرتا ہے تو وہ بلا شک و شبہ کافر ہے۔ محترم آپ نے یہ عبارت کیوں نقل نہیں کی؟ کیا آپ مدینہ یونیورسٹی سے صرف فریب و فراڈ کی ڈگریاں لے کر آئے ہیں؟ اور آگے شرح عقائد کے حوالہ سے یہ صراحت بھی موجود ہے کہ **سب الصحابة الطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلته القطعية فكفر الخ** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایسا سب وطعن بھی کفر ہے جو ادلہ قطعیہ کے خلاف ہو، یہ عبارت نقل کرنے کی بھی آپ نے زحمت نہیں اٹھائی۔

جواب نمبر ۲:

علامہ ملا علی قاری دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ **وقد صرح بعض علمائنا بانه يقتل من سب الشيخين** رضی اللہ عنہما (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۷۳) یعنی بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق) رضی اللہ عنہما پر سب کرنے والا قتل کیا جائے گا، علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ **كل كافر تاب فتوبته في الدنيا الاخرة الا جماعة الكافر يسب النبي** ﷺ **وسب الشيخين** رضی اللہ عنہما **أو أحدهما، وقال سب الشيخين** رضی اللہ عنہما **ولعنهما كفر** (تتمہ مظاہر حق ص ۸۲ و مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۷۳) ہر کافر کی توبہ قبول کی جائے گی، لیکن نبی ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما پر سب کرنے والے کی توبہ قبول نہ ہو

گی، شیخین رضی اللہ عنہما پر سب اور ان پر لعن کفر ہے، درمختار ج ۴ ص ۳۳۶ میں بحرالرائق اور جوہرة النیرة کے حوالہ سے منقول ہے کہ جس نے شیخین رضی اللہ عنہما پر سب کیا وہ کافر ہوگیا، اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی، شیخ ابواللیث فرماتے ہیں کہ اسی پر اہل سنت کا فتوی ہے۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہائے احناف کی اکثریت کا قول ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما پر سب کرنے والا حد میں قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اور بعض نے کہا ارتداد میں قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ (نبراس ص ۵۵۰) حضرت مجدد الف ثانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **وشك نيست كه شيخين** رضی اللہ عنہما **از اكابر صحابه اند بلكه افضل ايشان پس تكفير بلكه تنقيص ايشان موجب كفر وزندقه وضلالت باشد كما لا يخفى** (رد روافض ص ۱۳) یعنی شیخین رضی اللہ عنہما کی توہین و تنقیص کرنے والا بھی کافر، زندیق اور گمراہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۸ اور فتاویٰ بزازیہ ص ۳۱۹ میں ہے **اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما العياذ بالله فهو كافر**۔

جواب نمبر ۳:

اب آیئے اپنے گھر کی خبر بھی لے لیجیے، آپ کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **شیعہ اگر فقط** سب شیخین رضی اللہ عنہما کرتا ہے تو اگرچہ سب شیخین رضی اللہ عنہما کرنے والا کافر نہیں مگر فاسق **ضرور ہے،** اور فاسق سے بھی نکاح نہ کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۴۸۵ بحوالہ سیاحۃ الجنان ص ۲۲)

یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائیں غیر
اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

اعتراض نمبر ۱۴:

آپ کا چودھواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اولین ص ۴۹۶ میں ہے کہ جو شخص عورت سے مکروہ جگہ میں یا کسی سے قوم لوط والا فعل کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد نہیں۔ اور اس کو سزا دی جائے گی۔

جواب نمبر ۱:

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی ؒ فرماتے ہیں کہ **واتفقوا علی تحریم اللواط وانما من الفواحش العظام وھل یوجب الحد؟ قال مالک والشافعی واحمد ؒ یوجب الحد وقال ابو حنیفۃ ؒ یعذر فی اول مرۃ فان تکرر منہ قتل** (رحمۃ الامۃ ص ۳۵۸) یعنی لواطت کی حرمت اور اسے بہت بڑا فحش کام قرار دینے میں سب ائمہ متفق ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس کے مرتکب پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ؒ کے نزدیک اس پر حد جاری ہوگی اور امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک پہلی اس کو تعزیر کی سزا دی جائے گی اگر باز نہ آئے تو پھر اسے قتل کر دیا جائے گا، تعزیر کی وضاحت کرتے ہوئے امام محمد ؒ فرماتے ہیں **یودع فی السجن** (ہدایہ اولین ص ۴۹۶) یعنی اسے قید میں رکھا جائے گا، حافظ ابن ہمام اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسے تعزیراً قید میں رکھا جائے گا یا تو وہ سچی توبہ کرے یا قید خانہ میں ہی مر جائے اور اگر اس فعل بد کو عادت بنالے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۱۵۰) گویا دو ہی سزائیں ہیں حبس دوام یا قتل۔

جواب نمبر ۲:

صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر حد ہی نافذ ہوگی، یعنی محصن (شادی شدہ) ہے تو رجم کیا جائے گا، غیر شادی شدہ ہے کوڑے لگیں گے۔ (ہدایہ ص ۴۹۶)

جواب نمبر ۳:

اپنے گھر کی بھی خبر لے لیجیے۔ آپ کے سرخیل اہل حدیث نواب صدیق حسن خان بھی روضہ الندیہ ص ۳۵۸ میں فرماتے ہیں لاحد علیہ لواطت کے مرتکب پر حد نہیں ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اعتراض نمبر ۱۵:

آپ کا پندرہواں اعتراض یہ ہے کہ فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۴۶۸ میں ہے کہ اگر کسی نے عورت کو کرائے پر زنا کے لیے حاصل کیا اور پھر اس سے زنا کیا تو امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک اس پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔

جواب نمبر ۱:

اصل عبارت اس طرح **ولا حد بالزنا بالمستاجرۃ لہ ای للزنا والحق وجوب الحد کالمستاجرۃ للخدمۃ** (درمختار ج ۳ ص ۱۵۷) یعنی حق یہ ہے کہ اس عورت سے زنا کرنے پر حد جاری ہوگی جس کو زنا کے لیے اجرت پر حاصل کیا گیا ہے۔

مسئلہ کی وضاحت:

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے **فما استمتعتم بہ منھم فاتوھن اجورھن** (البقرۃ) یعنی اپنی منکوحہ بیویوں کو ان کی اجرتیں (یعنی حق مہر دے دو) ایک آدمی نے ایک عورت کو اجرت پر زنا کے لیے حاصل کیا چونکہ اس اجرت سے حق مہر کا شبہ پیدا ہوتا ہے اس لیے شبہ کی بناء پر حد ساقط ہو جائے گی جیسا کہ عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۹ میں اس کی وضاحت ہے۔ موطا امام مالک ص ۱۹۶ میں ہے کہ شبہ کی بناء پر حضرت عمر ؓ نے متعہ کرنے والے پر حد جاری نہ کی۔ باقی رہا مسئلہ کہ اجرت سے حق مہر کا شبہ تو پیدا ہو گیا، لیکن نکاح کیسے ثابت ہو گا؟ تو محترم امام مالک کے نزدیک نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں ہیں۔ (رحمۃ الامۃ ص ۲۶۸) اور آپ کے نواب نور الحسن خان بھی فرماتے ہیں کہ نکاح میں گواہوں کو شرط قرار دینے والی حدیث ضعیف اور نا قابل استدلال ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰۷) تو گویا نکاح کا بھی شبہ پیدا ہو گیا، اس کے برعکس ایک عورت کام کاج کے لیے اجرت پر حاصل کی گئی اور اجرت پر حاصل کرنے والے نے اس سے زنا کیا چونکہ یہاں حق مہر اور نکاح کا شبہ موجود

نہیں، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اس پر حد جاری ہوگی (قاضی خان ج ۴ ص ۴۰۵)
شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک جس وطی کو کسی مستند سنی عالم نے
حلال قرار دیا ہو، اس وطی پر حد نہیں اگرچہ وطی کرنے والا اس وطی کو حرام سمجھتا ہو۔ (مسوی
ج ۲ ص ۱۴۴) پھر اس کی مثالیں بیان فرماتے ہیں کہ مثلاً کسی عورت نے بغیر ولی کی اجازت
کے نکاح کرلیا، امام شافعی نے نزدیک وہ نکاح درست اور جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے
نزدیک درست اور جائز ہے لہٰذا اس وطی پر امام شافعی کے نزدیک حرام ہونے کے باوجود حد
جاری نہ ہوگی۔
یا مثلاً امام مالک کے نزدیک نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں اب بغیر گواہوں کے نکاح کے
بعد جو وطی ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں اس وطی پر حد نہیں ہوگی تو گویا یہ حد ساقط ہونا محض شبہ
کی بنا پر ہے۔

جواب نمبر ۲:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لیے سزا ہی کوئی نہیں، حد اگر شبہ کی بنا پر ساقط ہوئی ہے تو
تعزیر باقی ہے، اس میں تعزیر کی سزا کیا ہے فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۴۹ میں ہے کہ اسے
عبرت ناک سزا دی جائے اور پھر قید کردیا جائے یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کرلیں۔

جواب نمبر ۳:

یہ تو تھی امام ابوحنیفہ کے مسلک پر بحث لیکن ان کا یہ مسلک فقہ حنفی کا مفتی بہ موقف وفتویٰ
نہیں ہے، صاحبین حد کے قائل ہیں اور فقہ حنفی کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ حد جاری و نافذ ہوگی۔

جواب نمبر ۴:

رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۷ میں ای کما ھو قولھا یعنی امام ابوحنیفہ کا ایک قول
صاحبین کے موافق حد کا بھی ہے گویا رجوع ثابت ہوگیا۔

جواب نمبر ۵:

آپ کے نواب وحید الزمان خان لکھتے ہیں کہ اندھے نے اپنی بیوی کو بلایا کوئی اور عورت
اس کے پاس چلی گئی اور اندھے نے اس سے وطی و مباشرت کی تو اس عورت پر بھی حد نہیں۔
(نزل الابرار ج ۲ ص ۲۹۹)

اعتراض نمبر ۱۶:

آپ نے فقہ حنفی کی معروف کتاب رد المحتار علی در المختار ج ا ص ۱۵۴ کے
حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی کو نکسیر پھوٹ پڑے تو وہ سورہ فاتحہ کو خون کے ساتھ اپنی
پیشانی اور ناک پر لکھ لے شفا کی خاطر تو جائز ہے اور اسی طرح پیشاب کے ساتھ بھی سورہ
فاتحہ کو لکھ سکتا ہے اگر اس میں شفا سمجھے یعنی (بول) پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ کو لکھ کر شفا
حاصل کرنے میں کوئی حرج (گناہ) والی بات نہیں ہے۔

جواب نمبر ۱:

یہ قول صرف شیخ محمد بن احمد بن ابوبکر الاسکاف (المتوفی ۳۳۳ھ) کا ہے جو تمام تر علمی
قدر و منزلت کے باوجود فقہائے احناف میں غیر معروف ہیں، معروف فقہا کے مقابلہ میں
غیر علمی قدر و منزلت کے باوجود فقہائے احناف میں غیر معروف ہیں، معروف فقہا کے
مقابلہ میں غیر معروف فقہا کا قول قابل ترجیح نہیں ہوتا، اور پھر جب غیر معروف فقیہ اپنے
قول میں منفرد بھی ہو تو اس میں کمزوری کا پہلو اور بھی نمایاں ہوجاتا ہے۔

جواب نمبر ۲:

یہ اضطراری حالت پر موقوف ہے جیسا کہ شامی میں موجود ہے کہ یجوز ان علم فیہ
شفاء ولم یعلم دواء اخر یعنی یہ اس وقت جائز ہے جب اس میں شفا کا یقینی علم ہو اور
اس کے علاوہ کوئی دوسرا علاج معلوم نہ ہو۔

جواب نمبر۳:

یہ غیر مفتی بہ قول ہے جس پر آج تک کبھی بھی فتویٰ نہیں دیا گیا۔

جواب نمبر۴:

یہ قول درمختار کے باب تداوی بالحرام میں مذکور ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حرام یا مکروہ ہے۔

جواب نمبر۵:

تداوی بالحرام کے بارہ میں درمختار میں ہے کہ اختلف فی التداوی بالمحرم وظاھر المذھب المنع یعنی حرام چیزوں کے ساتھ علاج کرنے کے بارے میں علما کا اختلاف ہے امام اعظم کے مذہب میں حرام وممنوع ہے۔

جواب نمبر۶:

عالمگیری اردو میں قال المترجم کے بعد لکھا ہے کہ شیخ ابوالمکارم نے نقل کیا ہے کہ ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو مکروہ جانا ہے اور حاشیہ میں بصراحت مذکور ہے کہ یہی اصح ہے۔

جواب نمبر۷:

آپ نے حوالہ نقل کرنے میں بھی غیر مقلدانہ خیانت وبددیانتی کی ہے اور عبارت کا اصل جملہ چھوڑ دیا ہے پوری عبارت اس طرح ہے لو رعف فکتب الفاتحۃ بالدم علی جبھتہ وانفہ جاز للاستشفاء وبالبول ایضًا ان علم فیہ شفاء لا باس بہ لکن لم ینقل یعنی خون اور پیشاب کے ساتھ فاتحہ لکھنا جائز ہے بشرطیکہ یقینی طور پر اس میں شفا معلوم ہو جائے، لیکن اس سے شفا حاصل ہونا منقول وثابت نہیں، گویا جب اس سے شفا کا حاصل ہونا منقول وثابت نہیں تو اس کا لکھنا بھی جائز نہیں لیکن آپ نے آخری جملہ ہضم کر کے بہت بڑا مغالطہ دیا ہے۔ آخر یہ قرآن وحدیث کی خدمت کا کون سا انداز ہے۔

جواب نمبر۸:

آپ کے نزدیک تو خون اور پیشاب دونوں پاک ہیں۔ آپ کو تو شکایت ہونی ہی نہیں چاہیے۔ نواب وحید الزمان خان نزل الابرار ج ا ص ۴۹ میں لکھتے ہیں کہ ہر حلال وحرام جانور کا پیشاب پاک ہے سوائے خنزیر کے اور لغات الحدیث میں فرماتے ہیں کہ خون بھی پاک ہے۔

اعتراض نمبر ۱۷:

آپ نے قدوری ص ۴۵ کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر نمازی تشہد میں جان بوجھ کر ہوا خارج کر دے تو نماز بلا شبہ مکمل ہو جائے گا۔

جواب نمبر۱:

نماز کے آخر میں سلام کے حکم کے بارہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، نووی شرح مسلم ج ا ص ۱۹۵ میں ہے کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سلام فرض ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں، امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ کے نزدیک یہ سنت ہے اگر اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر۲:

شامی ج ا ص ۱۴۵ وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ لفظ سلام کہنا واجب ہے اگر کسی اور طریقہ سے نماز سے نکلے گا تو گناہ گار ہوگا۔

جواب نمبر۳:

مندرجہ ذیل احادیث میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایسے شخص کی نماز کو مکمل قرار دیا ہے۔

ابوداؤد ج ا ص ۹۱ میں ہے عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قضی الامام الصلاۃ وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلاتہ ومن کان خلفہ ممن اتم الصلاۃ یعنی جس شخص نے آخری قعدہ پڑھ لیا اور پھر جان بوجھ کر ہوا خارج کر

دی، اس کی نماز پوری ہوگئی اور اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی نماز بھی پوری ہوگئی اور طحاوی ج ا ص ۱۸۹ میں اسی روایت میں **فلا یعود فیھا** کے الفاظ بھی ہیں یعنی اسے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۱۷ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تشہد سے فارغ ہوتے تو ہماری طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے **من احدث حدثا بعد ما یفرغ من التشهد فقد تمت صلاته** ان مذکورہ روایات واحادیث کی روشنی میں دیانت داری کے ساتھ فیصلہ کیجیے کہ آپ کا اعتراض فقہ پر ہے یا حدیث پر؟

جواب نمبر۴:

آپ نے فقہ کا مذکورہ قول نقل کرنے سے قبل جو یہ فرمایا ہے کہ نماز اسلام کا اہم رکن ہے، فقہ حنفی میں اس کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مذکورہ احادیث کی روشنی میں ایک منکر حدیث آپ سے یہ سوال کردے کہ نماز اسلام کا اہم رکن ہے، حدیث میں اس کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے تو آپ کے پاس اس کا جواب کیا ہوگا؟

جواب نمبر۵:

آپ کے مسلک کے محسن اعظم اور مترجم صحاح ستہ نواب وحید الزمان خان کنز الحقائق ص ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے نماز پڑھائی اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے نماز بے وضو پڑھائی ہے تو نماز ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

اعتراض نمبر۱۸:

آپ نے فتاویٰ عالمگیری اور بہشتی زیور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر کسی عضو انگلی پر نجاست غلیظہ لگ جائے تو اس کو زبان سے تین بار چاٹ لے تو وہ عضو پاک ہوجائے گا۔

جواب نمبر۱:

بہشتی زیور ج ا ص ۵۷ اور ہدایہ ج ا ص ۱۸ میں مذکور ہے کہ پاک پانی میں تھوڑی یا زیادہ

نجاست گر جائے تو اس سے وضو اور غسل کچھ بھی درست نہیں، یعنی جب نجاست والے پانی سے وضو غسل کرنا ہی درست نہیں تو نجاست چاٹنا کیونکہ جائز ہوگا؟

جواب نمبر۲:

درمختار ج ا ص ۲۰۷ کے حوالہ سے بہشتی گوہر ص ۵ میں لکھا ہے کہ وہ پانی کہ جس کا رنگ، بو اور ذائقہ کسی نجاست کی وجہ سے بدل گیا وہ جانوروں کو پلانا بھی درست نہیں، جب نجاست والا پانی جانوروں کو پلانا بھی جائز نہیں تو نجاست خود چاٹنا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب نمبر۳:

آپ نے حوالہ نقل کرنے میں خیانت و بددیانتی سے کام لیا ہے، آپ نے بہشتی زیور سے جو عبارت نقل کی ہے اس کے متصل بعد ہی یہ جملہ موجود ہے کہ "مگر چاٹنا منع ہے" آپ نے غیر مقلدانہ فنکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف غلط فہمیاں اور فقہ حنفی کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے ادھورا حوالہ نقل کیا، اور اصل جملہ ہضم کر گئے، اور پھر اس میں بھی غلیظہ کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کردیا۔

جواب نمبر۴:

آپ کی فقہ محمدیہ ج ا ص ۵۶ میں ایک قول منی کے کھانے کا بھی لکھا ہے، اس اعتبار سے تو نجاست خور آپ خود ہوئے، ظاہر بات ہے فقہ محمدیہ کا فتویٰ تو آپ مسترد بھی نہیں کرسکتے۔

اعتراض نمبر۱۹:

سوال نمبر۱: کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا۔

جواب:

جس طرح احادیث کی کتابوں میں بعض احادیث صحیح، بعض منسوخ اور بعض ضعیف و

متروک ہوتی ہیں۔اسی طرح کتب فقہ اور اس کے شروح اور فتاویٰ میں بھی بعض اقوال مفتی بہا اور معمول بہا ہوتے ہیں۔مذہب حنفی اسی سے عبارت ہے۔اسی طرح بعض غیر مفتی بہا مرجوح اور شاذ اقوال ہوتے ہیں۔لہٰذا مرجوح اور غیر مفتی بہا اقوال کو بہانہ بنا کر مذہب حنفی پر اعتراضات کرنا یہ منکرین حدیث کا شیوہ ہے۔مسلمان کا نہیں کیونکہ منکرین حدیث بھی ضعیف اور موضوع احادیث کو بہانہ بنا کر ذخیرہ احادیث سے انکار کرتے ہیں اور اسلام پر کئی قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔اصل مسئلہ اسی طرح ہے کہ کتے اور گدھے کو شرعی طریقہ سے ذبح کر کے اس کا گوشت فروخت کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں فقہائے احناف کے درمیان اختلاف ہے۔بعض جواز کے قائل ہیں۔اکثر محققین احناف عدم جواز کے قائل ہیں۔

جو جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت سے نجاست زائل ہوتی ہے اور جن کے نزدیک فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے سے گوشت سے نجاست زائل نہیں ہوتی یہی قول مفتی بہ اور راجح ہے۔غیر مقلدین قول اول پر اعتراض کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کی خیانت:

غیر مقلدین فتاویٰ عالمگیری سے آدھی عبارت نقل کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں عالمگیری میں جو اختلاف بیان کیا ہے اس سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر دیتے ہیں۔عالمگیری میں مسئلہ مذکورہ کے بعد لکھا ہے۔

"وهذا فصل اختلف المشائخ فيه بناه على اختلافهم في طهارة هذا اللحم بعد الذبح" (فتاوٰی عالمگیری ج۳ ص۱۱۵)

"یہ فصل ہے اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اختلاف کی بنا ذبح ہونے کے بعد گوشت کی طہارت میں اختلاف پر ہے۔"

اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

"فالظاهر منهما ان هذا الحكم على القول بطهارة عينه"

(البحر الرائق ج۱ ص۱۰۳)

"ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم (بیع کا جواز اور عدم جواز) متفرع ہے اس کی ذات کے طاہر ہونے پر۔" یعنی جو ذبح کرنے کے بعد بھی گوشت کو نجس کہتے ہیں تو ان کے نزدیک اس کا بیع ناجائز ہے اور جو کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کے بعد گوشت سے نجاست زائل ہوتی ہے۔ان کے نزدیک اس کا بیع جائز ہے۔اگرچہ عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ "مذکورہ گوشت کے جواز بیع کا ثبوت روایۃ صحیحہ میں ہے۔" (فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص۱۱۵) لیکن فتویٰ نجاست اور عدم جواز بیع پر ہے جیسے امام بخاری ؒ نے صحیح بخاری میں دو راویتیں ران کی ستر کے متعلق نقل کیں ہیں۔انس ؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں ہے۔ابن عباس ؓ وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل ہے دونوں روایات صحیح ہیں لیکن انس ؓ کی روایت کے متعلق امام بخاری ؒ لکھتے ہیں: "وحديث انس اسند" (بخاری ج۱ ص۵۳) انس ؓ کی روایت کو زیادہ صحیح کہہ کر معلوم ہوا کہ امام بخاری ؒ کا رجحان بھی اس طرف ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں ہے لہٰذا ان کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں۔

حنفی مذہب کا مفتی بہ قول

احناف کا مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد کتے اور گدھے کے گوشت سے نجاست زائل نہیں ہوتی تو ان کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں چنانچہ صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں۔

۱..... وصح في الاسرار والكفاية والتبيين نجاسة۔

(البحر الرائق ج۱ ص۱۰۶)

صاحب اسرار صاحب کفایہ اور صاحب تبیین نے (مذکورہ گوشت) کے نجاست کو صحیح قرار دیا ہے۔

۲..... وفي المعراج انه قول محققين من اصحابنا۔

(البحر الرائق ج۱ ص۱۰۶)

(کتاب) معراج میں ہے کہ (مذکورہ گوشت کی نجاست) محققین احناف کا قول ہے۔

۳...... **وفی الخلاصة وهو القول المختار و اختاره قاضی خان فی التبیین انه قول اکثر المشائخ۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۰۶)**

خلاصہ میں ہے کہ (مذکورہ گوشت کی نجاست) قول مختار ہے اور اسی کو قاضی خان نے اختیار کیا ہے تبیین میں ہے کہ یہ اکثر مشائخ کا قول ہے۔

صاحب بحر نے خود بھی نجاست والے قول کے متعلق فرمایا۔

۴...... **وهو الصحیح (البحر الرائق ج۱ ص۱۰۶)** "یہ صحیح قول ہے۔"

صاحب درمختار لکھتے ہیں:

۵...... **لا یطهر لحمه هذا صح ما یفتی به۔**

اس کا گوشت پاک نہیں ہوتا یہ اصح قول ہے جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحیٔ حنفی لکھتے ہیں:

۶...... **قال کثیر من المشائخ انه یطهر جلده لا لحمه وهو الاصح (حاشیه هدایه ج۱ ص۲۴)**

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ (ذبح کرنے کے بعد) اس کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا اور یہی سب سے صحیح قول ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

۷...... **قال کثیر من المشائخ انه یطهر جلده لا لحمه وهو الاصح واختاره الشارحون (فتح القدیر ج۱ ص۸۴)**

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ (ذبح کرنے کے بعد) اس کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا اور یہی سب سے صحیح قول ہے اسی کو شارحین نے اختیار کیا ہے۔

۸...... علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: **وتطهر الذكدة الشرعیة جلد غیر الماکول دون لحمه علی اصح ما یغی به۔**

شرعی ذبح غیر ماکول اللحم کے چمڑے کو پاک کرتا ہے گوشت کو پاک نہیں کرتا اصح قول کے مطابق جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

صاحب خلاصہ لکھتے ہیں:

۹...... **وهو المختار و به اخذ الفقیه ذکره صدر الشهید فی صید الفتاوٰی (خلاصه الفتاوٰی ص۴۳)**

یہی قول مختار ہے فقہاء نے اس کو لیا ہے۔

صاحب مراقی الفلاح لکھتے ہیں:

۱۰...... **دون لحمه فلا یطهر علی اصح ما یفتی به۔ (مراقی الفلاح)**

اصح مفتی بہ مذہب میں ذبح کرنے سے حرام گوشت پاک نہیں ہوتا۔

۱۱...... صاحب کبیری لکھتے ہیں: **الصحیح ان اللحم لا یطهر بالذکاة (کبیری ص۱۴۴)**

صحیح یہ ہے کہ حرام جانوروں کا گوشت ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا۔

ملا علی القاری حنفی قائلین بالطہارۃ کے اسماء ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱۲...... **وقال کثیر من المشائخ یطهره جلده بها ولا یطهر لحمه کما لا یطهر بالدباغ قال شارح الکنز وهو الصحیح واختاره صاحب الغایة والنهایة۔ (شرح النقایة ج۱ ص۲۰)**

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ ذبح کرنے سے چمڑا پاک ہوتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا جیسا کہ دباغت سے پاک نہیں ہوتا شارح کنز نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اسے صاحب غایہ اور صاحب نہایہ نے اختیار کیا ہے۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ مذہب حنفی میں اصح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ ذبح کرنے سے حرام جانوروں کا گوشت پاک نہیں ہوتا تو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں لیکن یاد رہے کہ غیر مقلدین کے علماء کہتے ہیں کہ شرعی ذبح کے بعد گوشت پاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ غیر

مقلد مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

۱...... **ما يطهر بالدباغة يطهر بالذكاة الا لحم الخنزير فانه رجس**

(نزل الابرار ج۱ ص۳۰)

جو دباغت سے پاک ہو جاتا ہے ذبح سے بھی پاک ہو جاتا ہے خنزیر کے گوشت کے سوا کہ وہ رجس ہے۔

۲...... غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان نے کتے کے گوشت، ہڈی، خون، بال اور پسینے کو نجس نہیں کہا۔ (بدور الاہلہ ص ۱۶)

۳...... صدیق حسن خان کا بیٹا غیر مقلد نور الحسن لکھتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے نجس ہونے کا دعویٰ شراب اور دم مسفوح کے پلید ہونے کا دعویٰ اور مرے ہوئے جانور کے ناپاک ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ (عرف الجادی)

حضرت مولانا صاحب نے مرجوح قول کے بھی بہت سے دلائل بیان کیے ہیں اگر مذکورہ گوشت کو پاک بھی تسلیم کیا جائے تو بھی الحمدللہ فقہاء کا یہ قول بھی مبنی بر دلائل ہے۔ یعنی مذبوح حرام جانوروں کے گوشت کا جواز مسکوت عنہ ہے اور مسکوت عنہ وہ ہوتا جس سے بحث کرنا یا اسے حرام کہنا صحیح نہیں ہے پھر مذکورہ گوشت کے مسکوت عنہ ہونے پر قرآن اور حدیث سے سات دلائل پیش کیے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ مذکورہ گوشت کے فروخت کرنے کی حرمت چونکہ کسی آیت اور حدیث سے صراحۃ ثابت نہیں اس لیے **احل الله البيع** کے عموم سے اس کا جواز ثابت ہے۔

۲۔ **ما اتكم الرسول فخذوه و مانهاكم عنه فانتهوا** کی روشنی میں جن امور سے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ اپنی اباحت اصلیہ پر باقی ہیں۔

۳۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے "**ان اعظم المسلمين جرما من سال عن شیء لم يحرم على الناس فحرم من اجل مسألته**" اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کی حرمت نہ ہو اس کو حرام قرار دینا تو در کنار سوال کرنا حرام ہو جانے کا

سبب بننا بھی سب سے بڑا جرم ہے۔

۴۔ ارشاد نبوی ہے "**ان الله فرض فرائض فلا تضيعوها وحرم حرمات فلا تنهكوها وحد حدود فلا تعتدوها وسكت عن اشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها**" سنن دارقطنی ج۴ ص۱۸۳۔۱۸۴ والبیہقی ج۱۰ ص۱۲ والطبرانی فی الکبیر ج۲۲ ص۲۲۰ وغیرھا) معلوم ہوا مذکورہ بیع کی اباحت اصلیہ پر اکتفا نہ کرنا اور اسے حرام ثابت کرنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔

۵۔ حدیث شریف میں ہے "**ان الله عز وجل احل حلالا وحرم حراما فما احل فهو حلال وما حرم فهو حرام و ما سكت عنه فهو عفو و فی رواية فهو عافية فاقبلوا من الله عافية فان الله لم يكن نسيا ثم تلا هذه الاية و ما كان ربك نسيا**"

۶۔ فرمان ہے "**ان تسألوا عنها حين ينزل القرآن تبدلكم عفا الله عنها**" آیت کے آخری حصہ کی تفسیر سابقہ حدیث نے کی تو اس حصہ سے بھی اس کی اباحت ثابت ہوئی۔

۷۔ "**زكاتها دباغها**" اور "**دباغها زكاتها**" کے ارشاد گرامی سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یہ جوابات بنا بر تسلیم تھے جب کہ اکابر محققین حنفی کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ (انتہی بلفظہ تحریر ص ۱)

جلوئے بھی مناظر بھی، محبت بھی مگر کیا
آنکھوں پہ حجابات، زبانوں پہ ہیں تالے

اب جناب نورستانی ان دلائل کے جواب سے عاجز ہو کر کہنے لگا ہم نے ثابت کر دیا کہ مسکوت عنہ نہیں بلکہ نص سے مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا حرام ثابت کیا۔ لہٰذا یہ سب کچھ تار عنکبوت تھے جو ایک ہوا سے اڑ گئے (المبنی للفاعل ص ۷) ملاحظہ فرمائیے جناب کا جھوٹ کہ نص سے مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے ثابت کیا۔ جناب کا ۲۴ صفحات پر مشتمل کتابچہ میں اللہ کے فضل سے اس دلیل کا نام و نشان بھی نہیں

ہے جس میں مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنے کی ممانعت ہو۔ نورستانی کے سارے اکابر واصاغر جمع ہو کر اپنے مدعی پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا۔

نورستانی کے دلائل کا تحقیقی جائزہ

نورستانی نے جن روایات سے مذبوح کتے اور گدھے کے گوشت کو فروخت کرنا حرام ثابت کیا ہے (بزعم خویش) ان کا مشاہدہ بھی کیجیے کہ واقعی وہ دلائل ان کے مدعی کے مطابق ہے یا صرف اپنے حمایتی اور اپنے مریدین کو خوش کرنے کے لیے بیناکام کوشش کیا ہے۔

۱۔ ابوثعلبہ خشنی فرماتے ہیں کہ بے شک رسول ﷺ نے درندوں میں سے ہر داڑ والے گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

۲۔ رسول ﷺ نے ایک آواز دینے والے کو حکم دیا تو اس نے لوگوں میں منادی کرائی کہ اللہ اور اللہ کے رسول تمہیں گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرماتے ہیں۔ (بخاری)

۳۔ رسول ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کردی گئی تو انہوں نے پگال کر فروخت کیا پھر اس کے پیسے کو کھایا۔ (بخاری ومسلم)

۴۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس ذات نے اس (شراب) کے پینے کو حرام قرار دیا ہے اس ذات نے اس کے فروخت کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ (مسلم) (المبنی للفاعل ۴۔۵)

مشہور ہے **لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر**' بظاہر تو قوم نے ان کے ان علمی جوابات سے خبردار ہو کر خراج تحسین ادا کیا ہو گا بھوکے کو باسی روٹی مل جائے تو خوشی مناتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قوم کو اندھیرے میں رکھا ہے کیوں جناب! ان چار روایت میں سے کسی ایک روایت میں بھی ذبح کا لفظ ہے؟ حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم نے تو مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنے کی حرمت پر دلیل مانگی تھی، جناب نورستانی صاحب نے غیر مذبوح حرام جانوروں کا گوشت اور شراب کی فروخت کے حرام ہونے پر دلائل پیش کیے۔

جناب من: آپ نے حرام جانوروں کی حرمت پر دلائل پیش کیے اگر جانور حلال بھی ہو لیکن شرعی ذبح کے بغیر مر جائے احناف وغیرہم تو ان کی حرمت کے بھی قائل ہیں چہ جائیکہ حرام جانور البتہ بات شرعی طریقہ پر ذبح کرنے میں ہے کہ ذبح کرنے سے عندالبعض حرام جانور کی نجاست زائل ہوتی جیسا کہ مرا ہوا حلال جانور کا کھانا حرام ہے لیکن ان کے چمڑے کو اگر دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اور ان کا فروخت کرنا بھی جائز ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک برتن سے وضو کا ارادہ کیا کسی نے کہا کہ یہ برتن مرے ہوئے جانور کے چمڑے سے بنا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس چمڑے کی دباغت اس کے نجاست کو زائل کر دیتی ہے۔ (مسند احمد، ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی، قال الحافظ واسنادہ صحیح) تلخیص الحبیر ۱۹۰/۲ بہر حال یہ غیر مفتی بہ اور مرجوع بھی دلائل سے مبرھن ہے لیکن دیگر دلائل کی بنا پر محققین احناف نجاست اور حرمت والے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیتے ہیں کمامر۔

چاروں اماموں میں سے صرف ایک امام کے قول پر عمل

نورستانی نے اپنی تصانیف میں صفحہ صفحہ پر تقلید کے خلاف بکواس کیا ہے حقیقۃ الالحاد ۲ پر تقلید کے فاعلین کو مشرکین کی فہرست میں شامل کیا ہے اور ۱۸ پر کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے حالانکہ اس مقلدین کی کتابوں کے محتاج ہیں کاسہ گدائی لیے ہوئے کبھی شافعیوں کے در پر کھڑے ہیں کبھی مالکیوں سے بھیک مانگ رہے ہیں، کبھی حنابلہ کی کاسہ لیسی ہو رہی ہے، خود تو بے اصول فرقہ ہے نہ اصول حدیث اور اسماء الرجال میں ان کی کوئی کتاب ہے نہ تفسیر و تاریخ میں پھر اہل تقلید کے خلاف دن رات لگے ہوئے ہیں۔ المبنی للفاعل ۱۰ پر لکھتے ہیں۔
کیا چاروں مذاہب کو حق مان کر ایک پر عمل باقی تینوں کے مذاہب پر عمل نہ کرنا بلکہ ان سے برسرپیکار رہنا ائمہ کی دیانت وامانت پر طعنہ زنی نہیں؟ نورستانی صاحب کے بڑے بھائی منکرین حدیث بھی اہل سنت پر اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ سارے انبیاء علیہم السلام کو حق مان کر ایک نبی کے دین پر عمل باقی انبیاء علیہم السلام کے دین پر عمل نہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر طعنہ زنی

نہیں؟ العیاذ باللہ۔ جناب! الحمدللہ ہم ائمہ اربعہ کو حق مانتے ہیں اور اجتہادی مسائل میں صرف ایک امام کی تقلید کرتے ہیں جسے تقلید شخصی کہتے ہیں جس کا وجوب عوام کے لیے یا جواز اہل علم کے لیے قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے ایک امام کی بات پر عمل کرنا دوسرے کی بات پر عمل نہ کرنا ائمہ مجتہدین کی دیانت وامانت پر طعنہ زنی نہیں ہے ورنہ پھر تو اہل مدینہ پر بھی یہی اعتراض کرو گے جب کہ انہوں نے امام ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے انکار کر کے امام زید بن ثابت کے قول کو لیا۔ لا ناخذ بقولک وندع قول زید (بخاری ج ا ص ۲۳۷) یعنی ہم زید بن ثابت کے قول کے مقابلہ میں آپ کا قول نہیں لیتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لو ان الناس سلكوا واديا وشعبا وسلك عمر واديا و شعبا سلكت وادى عمر وشعبه لو قنت عمر قنت عبد الله" (مصنف ابن ابى شيبة)

اگر تمام لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلنے لگیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وادی اور گھاٹی میں جاؤں گا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت (صبح کی نماز میں) پڑھتے تو عبداللہ (یعنی میں) بھی پڑھتا۔

دیکھیے جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیگر ائمہ کے اقوال کے ترک کر کے صرف ایک امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تقلید واتباع کو اپنے گلے کا ہار سمجھی اسی طرح حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"روى ابن سعد باسناد صحيح عن ابن عباس قال اذا حدثنا ثقة بفتيا عن على لم نتجاوزها" (فتح البارى ج۷ ص۹۲، طبع قاهره)

"علامہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب کوئی ثقہ آدمی ہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی تجاوز نہیں کریں گے۔

علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

"وعين الانصاف ترى ان الجميع ائمة فضلاء فمن كان متبعا لمذهب

مجتهد لكونه لم يبلغ درجة الاجتهاد فلا يضره مخالفة غير امامة لامامه" (الاعتصام ص۵۰۷)

"عین انصاف یہ ہے کہ تو سب کو ائمہ صاحب فضیلت سمجھے پس جو درجہ اجتہاد کو نہ پہنچنے کی وجہ سے کسی ایک مجتہد کے مذہب کی تقلید کرے تو اس کا اپنے امام کے علاوہ غیر امام کی مخالفت مضر نہیں ہے۔

علامہ شاطبی کے قول سے یہ بات واضح ہوئی کہ ایک امام کے قول پر عمل کرنا بشرطیکہ سب کو حق جان لے تو یہ مضر نہیں لیکن ہمارا مہربان بغض وعناد اور تعصب کے گھوڑے پر سوار ہو کر منکرین حدیث کی طرح قسم قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔

نورستانی کی اصولِ حدیث سے لاعلمی

حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم نے لکھا تھا "یہ بھی یاد رہے کہ ترک تقلید کے یہ مدعی حضرات خود بھی جامد مقلد ہیں یہ جو کسی کو مرفوع کو موقوف کسی کو معاصر کسی کو غیر معاصر وغیر ذلک باور کیا جا رہا ہے تو یہ تقلید اور محض تقلید کی بنیاد پر ان احکام میں ان کے پاس نصوص نہیں۔ (تحریر ۲) اس کے جواب میں نورستانی صاحب لکھتے ہیں": (یہ) نہ تقلید ہے نہ تقلید کی بات بلکہ یہ اخبار اور حکم لگانا ہے۔ (المبنی للفاعل ۱۰) یہ بات بھی جناب نے اصول حدیث سے لاعلمی کی وجہ سے کی ہے کسی حدیث کو مرفوع یا موقوف صحیح یا ضعیف کہنا یا کسی راوی کو ثقہ غیر ثقہ کہنا اس کا تعلق اجتہاد سے ہے اور تقلید ہوتا ہی مسائل اجتہادیہ میں چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: **"هذه تذكرة باسماء معدلى حملة العلم النبوى ومن يرجع الى اجتهادهم فى التوثيق والتضعيف والتصحيح والتزييف" (ديباچه تذكرة الحفاظ)**

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں: **"فانا لا ندعى العصمة من السهو والخطاء فى الاجتهاد فى غير الانبياء" (مقدمة ميزان الاعتدال)**

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں: "یحیی بن معین وقد سأله عن الرجال عباس الداودی، وعثمان الدارمی، وابو حاتم، وطائفة واجاب كل واحد منهم بحسب اجتهاده ومن ثم اختلفت اراؤه وعباراته فی بعض الرجال كما اختلفت اجتهادات الفقهاء المجتهدين وصارت لهم فی المسئلة اقوال" (ذكر من يعتمد قوله فی الجرح والتعديل ۱۷۲)

علامہ منذری لکھتے ہیں: "واختلاف هؤلاء (ای المتكلمين فی الرجال) كاختلاف الفقهاء كل ذالك يقتضيه الاجتهاد (رسالة فی الجرح والتعديل ۴۷) ائمہ حدیث کی ان عبارات سے دوپہر کی طرح یہ بات واضح ہوئی کہ تصحیح وتضعیف اور توثیق وتعدیل وغیر ذالک اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں اختلاف فقہاء کے اختلاف کی طرح ہے لہٰذا کسی کے اجتہاد کو مان کر روایت کو مرفوع یا موقوف کہنا یا راوی کو ثقہ غیر ثقہ کہنا محض تقلید نہیں تو اور کیا ہے خصوصاً علل الحدیث میں تو عالم کے پاس حجت ہی نہیں ہوتی۔ (تدیب الراوی ج۱ ص۲۵۳) اور بقول نورستانی بے حجت بات تسلیم کرنے کا نام ہی تقلید ہے۔ (حقیقۃ الالحاد ۸)

اعتراض نمبر ۲۰:

سوال نمبر ۲: مرد اور عورت کی نماز میں فرق:

اشتہار میں دوسرا سوال یہ تھا کہ حنفی مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں اور عورتیں سینے پر ہاتھ باندھتی ہیں یہ فرق قرآن وحدیث سے ثابت کرے اسی طرح غیر مقلد صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں: ''عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے ''صلوا كما رايتمونی اصلی'' پڑھو نماز (اے میری امت) جس طرح دیکھتے ہو تم کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ یاد رکھیں کہ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے تک عورتوں اور مردوں کے لیے ایک ہیئت اور ایک شکل کی نماز ہے۔ (سبیل

الرسول ۲۴۸ صلاۃ الرسول) یہی بات غیر مقلد یونس قریشی نے دستور المتقی میں لکھی ہے؟

جواب:

قرآن وسنت میں بعض مسائل صراحتاً مذکور ہیں لیکن بعض ایسے مسائل ہیں جن کی صراحت قرآن وسنت میں نہیں ہے لیکن اشتراک علت کی بنا پر اصل (منصوص) مسئلہ سے دوسرے مسئلہ کو حکم متعدی ہو جاتا ہے جیسا کہ حائضہ سے صحبت کرنے کی ممانعت صراحتاً مذکور ہے "فاعتزلوا النساء فی المحيض" اللہ تعالیٰ نے اس کی علت اذی بتائی ہے۔ "قل هو اذی" تو حیض اور نفاس میں علت مشترک ہونے کی بنا پر نفاس والی عورت سے بھی صحبت ممنوع ہے اور اشتراک علت کی وجہ سے نفاس کے دیگر مسائل بھی حیض پر قیاس ہے اسی طرح قرآن وسنت میں ایسی منصوصات موجود ہیں جس میں عورت کو ستر کی پابندی کی گئی ہے چاہے ان کا تعلق نماز سے ہو یا خارج از نماز۔ جیسا کہ عورت بغیر محرم کے حج کے لیے نہیں جا سکتی، عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی، اذان نہیں دے سکتی۔ ننگی سر نماز نہیں پڑھ سکتی، ان کی نماز کے لیے فضیلت کی جگہ گھر ہے نہ کہ مسجد وغیرہ عورت کے ستر کو خاص اہمیت دی گئی ہے اب اشتراک علت کی بنا پر جو کہ ستر ہے نماز کے دیگر مسائل بھی ان منصوصات پر قیاس کیے گئے جن میں عورت کے ستر کو خاص اہمیت دی گئی ہے صرف قیاس بھی نہیں بلکہ ان کے شواہد مرفوع اور موقوف روایات یا اجماع بکثرت پائے جائے ہیں

اشتہار میں لکھنا کہ ''فقہ حنفی کے ہزاروں مسائل قرآن وسنت کے خلاف ہیں'' یہ ان کا نرا تعصب اور دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ مرد اور عورت کی نماز میں فرق صرف فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ خود غیر مقلدین شافعی، حنبلی اور مالکی بھی اکثر مسائل میں مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے قائل ہیں کما سیاتی۔ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا پڑھو نماز جس طرح دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ (بخاری) اس روایت سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ خطاب عام ہے مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات کا خود بھی اس عموم پر عمل نہیں۔ عورت کے بعض مسائل اس عموم سے مستثنیٰ کرتے ہیں جیسے عورتوں کا پہلی صف میں کھڑا نہ ہونا، بغیر دوپٹے کے یعنی ننگے سر نماز نہ ہونا، نماز جمعہ کا ان پر فرض نہ ہونا، ان کے لیے تصفیق اور مرد کے لیے تسبیح کرنا وغیرھا اسی طرح ہم بھی دلائل کی بنیاد پر عورت کے بعض مسائل اس خطاب عام سے مستثنیٰ کرتے ہیں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ عام سے کوئی تخصیص کسی شرعی دلیل کی بنا پر کی جائے تو عام عام نہیں رہتا بلکہ مخصوص البعض ہو جاتا ہے اور عام مخصوص البعض کا حکم یہ ہے کہ اس کی تخصیص دلائل اربعہ سے ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو کتب اصول فقہ اسی طرح علامہ قاضی شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا کہ عموم کی تخصیص قیاس سے بھی صحیح ہے۔'' (نیل الاوطار ۴/ ۸) امام ابن دقیق العید لکھتے ہیں ''جب تخصیص کی وجہ ظاہر ہو تو بلا اختلاف اھدے قیاس اور رائے سے بھی عموم کی تخصیص جائز ہے'' (بحوالہ فیض الباری ۲/ ۱۳۷) علامہ جزائری لکھتے ہیں ''تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عموم کی تخصیص دلالت عقلی اور قیاس سے بھی جائز ہے۔ (توجیہ النظر ۷۹) لہٰذا ''صلوا کما رایتمونی اصلی'' کے عموم سے بعض مسائل دیگر روایات یا اجماع اور قیاس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔

مرد اور عورت کے درمیان ہاتھ اٹھانے میں فرق:

مرد تکبیر میں دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے۔

''عن انس قال قال النبی ﷺ اذا فتح الصلاة کبر ثم رفع یدیه حتی یحاذی بابهامیه اذنیه'' (دار قطنی ۱/ ۳۰۰ رواته کلهم ثقات کذا فی نصب الرایه ۱/ ۳۱۱) ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کرتے۔''

عورت تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے کیونکہ کندھوں تک اٹھانے میں اس کے لیے بہت ستر ہے اس قیاس کے مرفوع اور موقوف روایات بطور شواہد ملاحظہ فرمالیں۔

حضور ﷺ نے وائل بن حجر کو فرمایا:

۱۔ یا وائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذا اذنیک والمراة تجعل یدیها حذاء ثدیها۔ (طبرانی کبیر ۲۲/ ۲۰) اے وائل! جب تو نماز پڑھو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر اٹھائے۔

علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: ''رواه الطبرانی من طریق میمونة بنت حجر بن عبدالجبار عن عمتها ام یحیی بنت عبدالجبار وعلم اعرفها وبقیة رجاله ثقات'' (مجمع الزوائد)

۲۔ حدثنا ابو بکر نا اسماعیل بن عیاش بن عبد ربه بن زیتون قال رائیت ام الدرداء ترفع کفیها حذو منکبیها حین تفتح الصلاة

(مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ۲۳۹)

حضرت عبد ربہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام الدرداء (صحابیہ) کو دیکھا نماز شروع کرتے وقت وہ اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتی تھی۔

۳۔ عن حماد انه یقول فی المراة اذا افتتحت الصلاة ترفع یدیها الی ثدییها۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ۲۳۹)

حضرت حماد کہتے ہیں کہ جب عورت نماز شروع کرتی ہے تو وہ اپنے ہاتھ چھاتی تک اٹھائے۔

۴۔ عن الزهری قال ترفع یدیها حذو منکبیها۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ۲۳۹)

امام زہری کہتے ہیں کہ عورت ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھائے۔

۵۔ عن ابن جریج قال قلت العطاء تشیر المراة بیدیها بالتکبیر کالرجل قال لا ترفع یدیها کالرجل واشار فخفض یدیه جدا و جمعها جدا وقال ان للمراة هیئة لیست للرجل وان ترکت ذالك فلا حرج۔

(مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ۲۳۹)

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے کہا کیا عورت بھی تکبیر کے وقت اپنے

ہاتھ اسی طرح اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ اسی طرح اپنے ہاتھ اٹھائے اور پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو پست کیا اور اکٹھا کیا اور بتلایا کہ اس طرح عورت ہاتھ اٹھائے اور پھر فرمایا کہ عورت کے لیے نماز میں ایسی ہیئت ہے جو مرد کے لیے نہیں اور اگر یہ چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح تمام علما کا اتفاق بھی اس قیاس کی تائید کرتا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان ہاتھ باندھنے میں فرق:

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک تحت الصدر ہاتھ باندھنا اولی ہے بعض تحت السرۃ ہاتھ باندھنے کو افضل کہتے ہیں ائمہ مجتہدین سے مختلف طریقے سے ثابت ہیں امام ترمذی لکھتے ہیں صحابہ وغیرہ کے نزدیک یہ سارے طریقے جائز تھے۔ (ترمذی) حنفیہ کے نزدیک مرد کے لیے تحت السرۃ ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ ابلغ فی التعظیم ہے اور نسبتاً اس کے حدیث اقرب الی الصحۃ ہے۔

عن وائل رایت النبی ﷺ یضع یمینه علی شماله تحت السرة۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱/۳۴۹) حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا۔

عورت سینے پر ہاتھ باندھے کیونکہ یہ ان کے لیے استر طریقہ ہے اور یہ قیاس سند اجماع ہے یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے جیسے کہ مولانا عبدالحئی حنفی لکھتے ہیں۔

واما فی حق النساء فاتفقوا علی ان السنة لهن وضع الیدین علی الصدر (السعایة ۲/۱۵۶) بہرحال علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ ہاتھ نماز میں سینے پر رکھے۔

حضرت مولانا صاحب نے لکھا تھا ”زیر ناف ہاتھ رکھنے پر دال حدیث نسبتاً چونکہ اقرب الی الصحۃ تھی۔ (تحریر ۵) جواب میں نورستانی صاحب لکھتے ہیں ”اقرب الی الصحة نہیں بلکہ اقرب الی الضعف ہے کیونکہ امام نووی فرماتے ہیں کہ ضعیف متفق علی تضعیفہ شرح

مسلم ۱/۱۷۳ (المبنی للفاعل ۱۴) جناب نورستانی صاحب نے یہاں بھی خیانت کو شربت صندل سمجھ کر پی لی نووی نے جس حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ حضرت علی کی حدیث ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”**واما حدیث علی انه قال السنة وضع الاکف علی الاکف تحت السرة ضعیف متفق علی تضعیفه**“ (**شرح مسلم ۱/۱۷۳**) یعنی جس روایت کو نووی نے ضعیف کہا ہے وہ علی کی روایت ہے حالانکہ حضرت مولانا صاحب نے لکھا تھا زیر ناف ہاتھ رکھنے پر دال حدیث نسبتاً چونکہ اقرب الی الصحۃ تھی۔ کیوں جناب والا زیر ناف ہاتھ رکھنے پر صرف ایک یہی دال ہے؟ اگر نورستانی ضد وعناد کے گھوڑے سے اتر کر اور تعصب کی عینک اتارے تو انہیں وائل بن حجر کی مذکورہ صحیح حدیث بھی نظر آجائے گی لیکن کیا کریں کہ انہیں خیانت وبددیانتی کی گھٹی پلائی گئی ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان رکوع اور سجدہ میں فرق:

مرد رکوع میں دونوں بازوں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھے۔

عن ابی حمید قال ان رسول اللہ ﷺ رکع فوضع یدیه علی رکبتیه کانه قابض علیها وترید به فنخاهما عن جنبیه۔ (ترمذی ۱/۶۵ وقال حدیث حسن)

حضرت ابوحمید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھ دونوں گھٹنوں پر اس طرح رکھے گویا آپ ان کو پکڑے ہوئے ہیں اور آپ نے دونوں بازوں کو تان کر اور ان کو اپنے پہلوں سے دور رکھا۔

مرد سجدہ میں بھی دونوں بازوؤں کو اپنے پہلو سے دور رکھے۔

عن عمرو بن الحارث ان رسول اللہ ﷺ کان اذا سجد فرج یدیه عن ابطیه حتی انی لاری بیاض ابطیه۔ (مسلم ج۱ ص ۱۹۴)

حضرت عمرو بن الحارث کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو اپنے بازوں کو بغلوں سے دور ہٹا کر رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بغل مبارک کی سفیدی نظر آتی تھی۔

عورت رکوع اور سجدہ جم کر کرے یعنی رکوع میں بازو اپنے پہلوں سے دور نہ کرے اسی طرح سجدہ بھی خوب سمٹ کر کرے کیونکہ اس صورت میں عورت کے لیے بہت ستر ہے اور اس قیاس کے شواہد بھی موجود ہیں۔

عن زید بن ابی حبیب ان النبی ﷺ مر علی امرتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المراۃ فی ذلک لیست کالرجل۔
(ابوداؤد سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۳، سبل السلام ج ۱ ص ۳۲۵ تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۴۲)

حضرت یزید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھی رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملالیا کرو کیونکہ عورت اس میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

عن ابن عمر مرفوعا اذا جلست المراۃ فی الصلاۃ وضعت فخذها علی فخذها الاخری فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذیها کاستر ما یکون لها وان اللہ تعالی ینظر ایها الخ۔ (سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۴، کنز العمال ج ۷ ص ۵۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اس طرح کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے۔

نورستانی کی بدحواسی:

سنن الکبریٰ کی یہی روایت اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ضعف تھی تو حضرت مولانا صاحب نے لکھا یہ حدیثیں بقول امام بیہقی قابل احتجاج نہ بھی ہوں قابل استشہاد تو ضرور ہیں۔ (تحریر ۶) تو اس کے جواب میں نورستانی لکھتے ہیں استشہاد احتجاج و استدلال کے فرع ہے کیونکہ استشہاد کہتے ہیں "**طلب ما یدل علی استحقاق الدلیل للاستدلال والاحتجاج**" (المبنی للفاعل ۱۷) جناب نورستانی صاحب کا مقصد یہ

ہے کہ جب یہ حدیثیں قابل استدلال نہیں تو اسے استشہاد میں یہ کیسے پیش کی جاسکتی ہیں کیونکہ استشہاد استدلال واحتجاج کا فرع ہے جب اس روایت کا قابل استدلال ہونا باطل ہوا تو قابلِ استشہاد ہونا خود بخود باطل ٹھہرا جناب نورستانی کے اندھے مقلد جب اپنے مقتدیٰ پیرومرشد کے یہ شگوفے دیکھتے ہیں تو خوش ہو کر ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن دنیا میں عقل وبصیرت والے بھی رہتے ہیں جو حق وباطل اور رطب ویابس میں امتیاز کر سکتے ہیں جناب استدلال واحتجاج علیحدہ چیز ہے استشہاد علیحدہ چیز ہے۔ استشہاد میں وہ روایت بھی پیش کی جاسکتی ہے جس کی راوی سے احتجاج نہ کیا جاسکتا ہو (تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۴۵، التقلید والایضاح ۱۰۸) لیکن استدلال واحتجاج میں یہ نہیں ہوسکتا اور ہمارے مہربان نے استشہاد کی جو تعریف ذکر کی ہے۔ "**طلب ما یدل علی استحقاق الدلیل للاستدلال والاحتجاج**" تو لفظ "الدلیل" میں الف ولام عہدی ہے یعنی اس سے وہ دلیل مراد ہے جس کے قابل استدلال ہونے کے لیے استشہاداً دوسری دلیل جو پہلی کی تائید کے لیے پیش کی گئی ہے استشہاد کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ نورستانی کو لفظ "**للاستدلال والاحتجاج**" کو طلب کے ساتھ متعلق کیا ہے اس لیے وہ غلط فہمی میں پڑا ہے حالانکہ ان کا تعلق لفظ استحقاق کے ساتھ ہے کہ اگر ان کو طلب کے ساتھ متعلق کیا جائے تو معنی غلط بنتی ہے **کما لاخفی علی البصیر۔**

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی قال اذا سجدت المراۃ فلتحتفر ولتضم فخذیها۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۲۷۹، بیہقی ج ۱ ص ۲۲۲، مسند الامام زید ۹۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر کرے اور اور اپنی دونوں رانوں کو ملائے رکھے۔

حدثنا ابو بکر قال نا ابو عبدالرحمن المقری عن سعید بن ایوب عن یزید بن حبیب عن بکیر بن عبداللہ بن الاشجع عن ابن عباس ان سئل عن

صلاة المراة فقال تجتمع وتحتفر۔ (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اکٹھی ہو کر اور خوب سمٹ کر نماز پڑھے۔

عن ابراهيم قال اذا سجدت المراة فلتزق بطنها بفخذيها ولا ترفع عجيزتها ولا تجافی كما يجافی الرجل (مصنف بن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۰)

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے اور اپنے سرینوں کو اوپر نہ اٹھائے اور بازوؤں کو اپنے پہلوں سے دور نہ کرے جس طرح مرد کرتے ہیں۔

عن الحسن قال المراة تضهم فی السجود (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۰)

حضرت حسن بصری نے کہا کہ عورت بالکل سمٹ سکڑ کر سجدہ کرے۔

اسی طرح مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے کہ مرد کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملائے جیسا کہ عورت ملاتی ہے۔ (مصنف ج۱ ص۲۷۰)

مذکور فرق کا ثبوت حضرات شافعیہ سے:

امام شافعی خود مرد اور عورت کی نماز میں فرق ذکر کر کے کہتے ہیں۔

"وقد ادب الله تعالى النساء بالاستار واد بهن بذلك رسوله واحب للمراة فی السجو دان تضم بعضها الى بعض وتلصق بطنها بفخذيها وتسجد كاستر ما يكون لها وهكذا احب لها فی الركوع والجلوس وجميع الصلاة ان تكون فيها كاستر ما يكون لها۔ (كتاب الام للشافعی ج۱ ص۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ ادب سکھلایا ہے کہ پردہ کریں اور یہی ادب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عورتوں کو سکھلایا ہے لہٰذا عورتوں کے لیے سجدہ میں پسندیدہ یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو ملا کر رکھیں اور پیٹ کو رانوں سے چپکا لیں اور اس طرح سجدہ کریں کہ ان کے لیے زیادہ

سے زیادہ پردہ ہو جائے اسی طرح ان کے لیے پسندیدہ ہے رکوع میں بھی اور جلسہ میں بھی بلکہ تمام نماز ہی میں کہ وہ اس طرح نماز پڑھیں کہ جس سے ان کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے۔

امام نووی الشافعی نے امام شافعی کا یہی مذہب مجموع شرح المہذب میں ذکر کیا ہے علامہ قرطبی نے بھی شوافع کا یہی مذہب ذکر کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی طبع بیروت ج۱ ص۲۴۶)

حضرات حنابلہ سے:

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے مرد اور عورت کی نماز میں فرق بیان کیا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج۱ ص۵۶۲) علامہ عبدالرحمٰن نے حنابلہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذہب الاربعۃ ج۱ ص۲۲۵)

حضرات مالکیہ سے:

ابوزید قیروانی المالکی نے "الرسالۃ" میں اس فرق کی صراحت فرمائی ہے۔

گھر کی شہادت:

غیر مقلدین کے اکابر نے بھی اس فرق کی صراحت فرمائی ہے غیر مقلد عالم امیر یمانی نے سبل السلام ج۱ ص۴۲۵ پر یہ فرق ذکر کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے اسی طرح غیر مقلد عالم عبدالجبار غزنوی مرد اور عورت کی نماز میں فرق احادیث اور مذاہب اربعہ کی روشنی میں بیان کر کے لکھتے ہیں، غرض کہ عورتوں کا انضمام وانخفاض نماز میں احادیث وتعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرھم سے ثابت ہیں اس کا منکر کتب حدیث وتعامل اہل علم سے بے خبر ہے۔ (فتاویٰ غزنویہ فتاویٰ علماء حدیث ج۳ ص۱۴۹)

فرمائیے جناب! مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے صرف حنفیہ قائل ہیں یا مذاہب اربعہ والے اور غیر مقلدین بھی؟ اشتہار میں یہ لکھنا کہ فقہ حنفی کے ہزاروں مسائل قرآن وسنت

کے خلاف ہیں تو اس بات پر غیر مقلدین کو صرف ضد وعناد اور تعصب نے مجبور کیا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان جلوس میں فرق:

عورت مرد کی طرح نہیں بلکہ خوب سمٹ کر بیٹھیں۔

عن ابن عمر انه سئل کیف کان النساء یصلین علی عهد رسول الله ﷺ قال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن۔ (جامع المسانید ج۱ ص۴۰۰ هذا اسناد صحیح اعلاء السنن ج۳ ص۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں کیسی نماز پڑھتی تھیں آپ نے فرمایا چہار زانوں بیٹھ کر پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں۔

نماز میں کوئی بات پیش آئے تو مرد تسبیح کہے گا اور عورت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی پشت مارے گی:

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال التسبیح للرجال والتصفیق للنساء

(بخاری ج۱ ص۱۶۰، مسلم ج۱ ص۱۸۰)

حضور ﷺ نے فرمایا ہے تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تصفیق عورتون کے لیے ہے۔

اعتراض نمبر۲۱:

سوال نمبر۳/امامت کے شرائط:

اشتہار میں تیسرا سوال یہ کیا ہے کہ حنفی مذہب میں امامت کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کی بیوی خوب صورت ہو اس کو امام بناؤ اگر اس میں برابر ہو جس کا سر بڑا ہو اور عضو چھوٹا ہو تو اس کو امام بناؤ۔ (درمختار)

جواب:

غیر مقلدین خیانت جیسے جرم عظیم کو گناہ ہی نہیں سمجھتے درمختار میں بیوی کا خوبصورت ہونا اعضاء کا چھوٹا ہونا امامت کے شرائط میں سے نہیں بلکہ احقیت امام کے لیے صفات بیان کیے ہیں شرط تو وہ ہوتا ہے جس کے فوت ہو جانے سے مشروط بھی فوت ہو جائے حالانکہ اگر امام میں یہ صفات نہ بھی ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آتا صرف بہتری کے لیے ان صفات کا ذکر کیا ہے احادیث میں امامت کے لیے جو صفات بیان کی گئیں ہیں اگر ان صفات میں مساوی ہوں تو فقہائے کرام نے احقیت امامت کے لیے چند صفات بیان کیے ہیں ان صفات میں سے غیر مقلدین نے اشتہار مذکور میں دو وصفت نقل کر کے اعتراض کیا ہے کہ انہیں قرآن وسنت سے ثابت کریں ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ غیر مقلدین کا یہ انداز غلط ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے چار دلائل ہیں، لہٰذا فقہائے کرام نے احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس کر کے مذکورہ صفات ذکر کیے یہ صفات قیاس ہی سے نہیں بلکہ احادیث سے بھی ثابت ہیں جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

"ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیومکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم"

(طبرانی کبیر ج۲۰ ص۳۲۸، دار قطنی، مستدرك حاکم، مرقاة ج۳ ص۱۹۶)

اگر تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہیے کہ تمہاری امامت وہ لوگ کریں جو تم میں سے بہتر ہوں کیونکہ امام تمہارے نمائندے ہوتے ہیں تمہارے اور خدا کے درمیان۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"اجعلوا ائمتکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم"

(سنن الکبری ج۳ ص۹۰)

اپنے امام اپنے سے بہترین لوگوں کو بناؤ کیونکہ امام تمہارے نمائندے ہوتے ہیں

تمہارے اور تمہارے خدا کے درمیان۔

قارئین کرام! اس بات سے انکار نہیں کہ حضرات محدثین کرام نے ان دونوں روایتوں کی صحت میں کلام کیا ہے لیکن یہ بات بھی قابل انکار نہیں کہ محدثین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں قابلِ حجت ہے۔ (شرح النقایہ ج۱ ص۹، مستدرک ج۱ ص۴۹۰، فتح المغیث ۱۲۰، فتاویٰ لابن تیمیہ ج۱ ص۳۹، فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص۲۶۵) ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام اسے بنایا جائے جو سب سے بہتر ہو اب بہترین کون ہے؟

احقیت امامت کے لیے پہلی صفت:

حضور ﷺ فرماتے ہیں "خیارکم خیارکم لنساء هم" (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۸۹) تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے حق میں بہترین ہو۔ شریعت مطہرہ میں تو کالے گورے خوبصورت اور بدصورت کا تو کوئی امتیاز نہیں ہے لیکن دل غیر اختیاری طور پر خوبصورت بیوی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی تجربہ شدہ بات ہے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو عام طور پر وہ اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی فرماتے ہیں کہ مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ نیک بخت بیوی ہے۔ "ان امرها اطاعة وان نظر اليها سرة"
(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۶۸)

اگر اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے جب وہ (شوہر) اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اس کا دل خوش کرتی ہے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ای جعلته مسرورا بحسن صورتها و سيرتها" (مرقاۃ ج۶ ص۲۷۴) یعنی اگر شوہر اس عورت کو دیکھے تو یہ عورت اپنے صورت وسیرت کے حسن سے اسے خوش کرتی ہے۔ اسی درح جس آدمی کی بیوی خوبصورت ہو وہ عموماً بدنظری، بے حیائی اور فحش کاموں سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو شوہر کے لیے لباس ٹھہرائی اور آنحضرت ﷺ نے

فرمایا کہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے۔ (بخاری ومسلم و مشکوٰۃ ج۲ ص۲۶۷) یعنی جو شادی شدہ ہو تو ان کا اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور حرام کاری سے بچتا ہے مشفق انسانیت پیغمبر ﷺ اسلام نے بے حیائی اور حرام کاری سے روکنے کا ذریعہ نکاح ٹھہرایا ہے اب آپ خود سوچئے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو تو کیا وہ بطریق اولیٰ حرام کاری سے نہیں رکے گا۔ فقہاء کی ان ساری باتوں پر نظر تھی اس لیے کہا کہ اگر کسی کی بیوی خوبصورت ہو تو اسے امام بنایا جائے گا۔ اور یہ بات کہ امام کی بیوی کیسے معلوم کی جائے تو ہمسایہ اور رشتہ دار لوگوں کو اپنی عورتوں کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے جیسا کہ کوئی آدمی نکاح کرتا ہے تو لڑکی کی حالت اپنی عورتوں سے معلوم کرتا ہے۔

احقیت امامت کے لیے دوسری صفت:

رہی یہ بات کہ امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا ہو دوسرے اعضاء چھوٹے ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ سر کا بڑا ہونا دوسرے اعضاء کا مناسب ہونا کمال عقل کی دلیل ہے اور یہ بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ جس کا سر بڑا ہو دوسرے اعضاء چھوٹے ہوں تو وہ نہایت سمجھ دار ہوتا ہے اور چھوٹے سر والا کم عقل والا ہوتا ہے اور اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ عقل مند کم عقل والے سے بہتر ہوتا ہے اور حدیث میں بھی بہتر شخص کو امام بنانے کی ترغیب دی گئی ہے قارئین کرام غور فرمائیے کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مخالف ہے یا موافق؟

فقہائے احناف پر عظیم بہتان:

شیر سرحد تاج غیر مقلدین جناب نورستانی صاحب لکھتے ہیں کہ "الاصغر عضوا"، یعنی جس عضو چھوٹا ہو سے مراد آلہ تناسل کا چھوٹا ہو جانا ہے یعنی امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا اور آلہ تناسل چھوٹا ہو دلیل یہ پیش کی ہے کہ لفظ "عضو" واحد ہے اور سارے بدن میں واحد عضو صرف آلہ تناسل ہی ہے۔ (المبنی للفاعل ۱۹) کفار کی یہی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو کیسے بدنام کیا جائے باطل فرقے قادیانی، پرویزی وغیرہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ

اہل اسلام کی کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف کریں غلط مطلب بیان کریں، کمی اور زیادتی کریں ان کے آلہ کار غیر مقلدین کی بھی یہی کوشش ہے کہ فقہائے احناف کی کتابوں سے مرجوح اور مرجوح عنہ اقوال اچھال اچھال کر لوگوں میں مفت تقسیم کریں ان کی عبارات کا غلط ترجمہ کر کے اہل باطل کی خوشی اور مسلمانوں کو اپنے دین سے بدظن کریں۔ پتہ نہیں نورستانی اوران کے ہمنوا "عضو" سے آلہ تناسل کیوں مراد لیتے ہیں۔ بے حیا باش وہر چہ خواہی کن۔ جناب من! آپ کا یہ مطلب جو آپ نے سمجھا ہے شاید آپ کی جماعت والے قبول کرلیں باوجود غیر مقلد ہونے کے آپ کی عقیدت کی وجہ سے آپ کی تقلید کریں یا اور کوئی عقل مند دشمن ان سے یہی مراد لے جو آپ نے لیا ہے مگر ہم تو کہتے ہیں کہ زہر آلود لقمہ ہے جو ناواقف لوگوں کو کھلایا گیا ہے۔

"عضو" سے آلہ تناسل مراد لینا محض بہتان ہے:

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی حنفی نے خود اس بات کی تردید کی ہے کہ عضو سے مراد آلہ تناسل ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وفی حاشية ابن السعود ونقل عن بعضهم فی هذا المقام مالا يليق ان يذكر فضلا عن ان يكتب وكانه يشير الى ما قيل ان المراد بالعضو الذكر"

(ردالمحتار ج۱ ص۴۱۲)

ابوالسعود کے حاشیہ میں اس مقام میں بعض سے ایسی بات منقول ہے جو اسی قابل نہیں کہ اسے ذکر کیا جائے چہ جائے کہ لکھا جائے گویا اس طرف اشارہ ہے جو کہا گیا ہے کہ مراد عضو سے آلہ تناسل ہے۔

اور منحة الخالق ج۱ ص۳۴۸ پر بھی اس بات کی تردید کی ہے کہ عضو سے مراد آلہ تناسل ہے۔ غور فرمایئے کہ فقہائے احناف یہ کہے کہ عضو سے آلہ تناسل نہیں بلکہ بدن کے

اندام مراد ہیں لیکن ہمارا مہربان اس بات پر ڈھٹ کر کھڑا ہے کہ مراد عضو سے آلہ تناسل ہے من چہ گویم وطنبورۂ من چہ گوید والی بات ہے۔ دانش مندوں کا مقولہ ہے **"کل اناء يترشح بما فيه"** ثانیاً بدن میں واحد عضو ناک بھی ہے شیر سرحد کو صرف آلہ تناسل کیوں نظر آیا مشہور ہے کسی بھوکے سے کسی نے پوچھا کہ دو اور دو کتنے ہوگئے کہا چار روٹیاں۔ ثالثاً انسان کے جسم میں جو ایک سے زائد اعضاء ہیں کبھی کبھار بطور جنس واحد کا صیغہ بولا جاتا ہے لیکن مراد واحد نہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے **"من رای منكم منكرا فليغيره بيده"** یہاں پر واحد کا صیغہ ہے لیکن مراد صرف ایک نہیں بلکہ دونوں ہاتھ مراد ہیں بقول نورستانی لفظ ید واحد کا صیغہ ہے تو دونوں ہاتھوں سے برائی کا روکنا حدیث کے خلاف ہوگا اسی طرح حضور ﷺ فرماتے ہیں **"المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده"** یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں یہاں بھی لفظ واحد ہے لیکن نورستانی کے نزدیک یہ معنی بنتا ہے کہ جس کے ایک ہاتھ سے مسلمان محفوظ نہ ہوں تو وہ مسلمان نہیں ہے لیکن اگر دونوں ہاتھ کے ضرر سے محفوظ نہ ہوں تو مسلمان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے **"جعلت قرة عيني فی الصلاة"** میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے اب جناب کے نزدیک یہ مطلب ہوگا کہ نماز میں حضور ﷺ کی صرف ایک آنکھ کی ٹھنڈک ہوگی دونوں کی نہیں یہی مطلب جناب نے "اصغر عضوا" سے لیا ہے کہ لفظ عضو واحد کا صیغہ ہے اور بدن میں واحد آلہ تناسل ہے تف ہو ایسی اہل حدیثیت پر لیکن یہ بات یا تو جان بوجھ کر کہہ رہا ہے یا ان میں جہالت بطریق اکمل پائی جاتی ہے۔ رابعاً غیر مقلدین کے مایہ ناز عالم علامہ وحید الزمان احناف کا مذہب بیان کر کے لکھتے ہیں۔

"وقال الاحناف ...... ثم الاكبر راسا والاصغر قدما"

(نزل الابرار ج۲ ص۹۶)

احناف کہتے ہیں...... پھر امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا ہو قدم چھوٹے ہوں۔

یعنی عضو سے وہ مراد نہیں جو ان حضرات نے سمجھا ہے بلکہ قدم وغیرہ مراد ہیں۔ خامساً عضو

بدن کے ایسے اندام کو کہتے ہیں جس میں ہڈی ہو اور آلہ تناسل میں تو ہڈی نہیں ہوتی۔ چنانچہ صاحب قاموس لکھتے ہیں۔

① ...... والعضو بالضم والکسر کل لحم وافر بعظمه۔

(القاموس ج ا ص ۱۷۲۰)

عضو ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہر وہ گوشت جو ہڈی سے ملا ہوا ہو۔

② ......وقیل هو کل عظم وافر لحمه وجمعها اعضاء۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۶۸)

کہا گیا ہے کہ (عضو) ہر اس ہڈی کو کہتے ہیں جس سے گوشت ملا ہوا ہو اس کا جمع اعضاء ہے۔

③ ...... کل عظم وافر من الجسم بلحمه۔ (المنجد عربی ۵۱۲)

جسم کی ہر وہ ہڈی جس سے گوشت ملا ہوا ہو۔

④ ...... ولا یسمی القلب والکبد عضوا الا لنحو تغلیب ذکره ابن حجر فی شرح العباب۔ (هامش قاموس ج ا ص ۱۷۲۰)

دل اور جگر کو عضو نہیں کہا جاتا یہ (کیونکہ اس میں ہڈی نہیں ہوتی) مگر تغلیباً حافظ ابن حجر نے اسے شرح عباب میں ذکر کیا ہے۔

⑤ ...... ہر گوشت جو ہڈی میں جڑا ہوا ہو (مفتاح القرآن ۵۳۶) معلوم ہوا کہ ان حضرات کا عضو سے آلہ تناسل مراد لینا فقہائے احناف پر عظیم بہتان ہے اور یہ "توجیه القول بما لا یرضی به قائله" اور مدعی سست گواہ چست والی بات ہے۔

اعتراض نمبر ۲۲:

سوال نمبر ۴/ زبان کے ساتھ نیت کرنا:

اشتہار میں چوتھا سوال یہ تھا کہ زبان سے نیت کرنا فرض ہے، واجب سنت ہے یا مستحب؟ قرآن وحدیث سے ثابت کریں؟

جواب:

نیت کہتے ہیں دل کے ارادے کو نورستانی نے بھی احناف کی کتابوں سے نیت کا یہی معنی بیان کیا ہے اب اگر دل کے ارادے کو پختہ کرنے کے واسطے اس پر تلفظ کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے نزدیک نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت بلکہ اسے مستحسن کہا گیا ہے یعنی نیت پر تلفظ کرنا کوئی شرعی عمل نہیں کہ اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے ہو یا صحابہ وتابعین سے بلکہ بعض فقہاء نے دفعہ وسوسہ کے لیے اسے پسند کیا ہے۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اگر عوام کو تلفظ سے روکا جائے تو دل کے ارادے کا فقدان بھی ان سے ہو جاتا ہے جس کا ضرر تلفظ سے زیادہ ہے لہٰذا جو بات آسان ہو کم ضرر والا ہو تو اسے اختیار کرنی چاہیے مشکل اور ضرر والی بات چھوڑنی چاہیے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

"وما خیر بین امرین الا اختار ایسرهما ما لم یکن ماثما" (ترمذی ۵۹۶)

جب حضور ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تھا تو آپ وہ بات اختیار کرتے تھے جس میں آسانی ہوتی تھی جب تک وہ گناہ کی بات نہ ہو۔

"واذا ابتلیتم ببلیتین فاختاروا اهونهما"

جب تم دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو ان میں سے آسان ترین کو اختیار کر لینا چاہیے۔

اور یہ مسئلہ صرف حنفیہ کا نہیں بلکہ حضرات مالکیہ بھی دفعہ وسوسہ کے لیے تلفظ کو مندوب کہتے ہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ا ص ۱۹۵)

زبانی نیت کیا بلا ہے:

شیر سرحد لکھتے ہیں کہ تلفظ جب فرض واجب اور سنت نہیں تو یہ کیا بلا ہے۔ (المبنی للفاعل ۲۱)

غیر مقلدین حضرات جب پکے پکے مساجد بناتے ہیں حالانکہ مسجد نبوی تو کچی تھی اب یہ پکے مساجد بنانا نہ فرض نہ واجب ہے نہ سنت تو یہ کیا بلا ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے کہ پکے مساجد بنانے کو ہم عبادت نہیں سمجھتے بلکہ عمارت کی تقویت اور مضبوطی کے لیے ایسا کرتے ہیں تو ہم

بھی کہتے ہیں کہ نیت پر زبان سے تلفظ کرنا صرف دل کے ارادے کی تقویت اور مضبوطی کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ہاں اگر اس کو ضروری سمجھا جائے یا اس کے ساتھ جہر کیا جائے تو بلا شک وریب یہ بدعت بن جاتی ہے بعض فقہاء نے اسی وجہ سے اسے بدعت کہا ہے۔

نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں:

رہانورستانی کا یہ اعتراض کہ مولانا محمد امین صاحب نے زبان سے الفاظ کہنے کو زبانی نیت کہا اور زبان سے الفاظ بولنے کو تلفظ یا کلام یا قول کہتے ہیں زبانی نیت نہیں بلکہ نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ (المبنی للفاعل ۲۱) یہ بھی جناب کی جہالت ہے کیونکہ نیت پر تلفظ کو زبانی نیت کہنا اسی وجہ سے نہیں کہ نیت دو قسم کی ہے زبانی اور قلبی بلکہ عرفاً یہ اصطلاح مشہور ہی ایسی ہے کیونکہ اس سے تو ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی واقف ہے کہ نیت کا محل دل ہے اور تلفظ کا محل زبان چونکہ زبان دل کی ترجمان ہے "انما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا" اور اپنے دل کا اظہار اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیے اگر زبان پر نیت کے تلفظ کو زبانی نیت سے تعبیر کیا جائے یا محض ارادے کو قلبی نیت کہا جائے تو اس میں کیا حرج ہے لیکن کیا کرے ضد تعصب اور جہالت کے ان لاعلاج مریضوں کا کہ کسی دوا سے بھی ان کی تسلی وتشفی نہیں ہوتی۔

اعتراض نمبر ۲۳:

مدتِ رضاعت:

مدتِ رضاعت قرآن میں دو سال مقرر کی گئی ہے۔ (البقرہ) لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک مدت اڑھائی سال ہے۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۳۵۰)

حافظ صاحب نے اس ایک سطر میں پانچ بددیانتیاں کی ہیں جن کی مثال ہمیں پادری فانڈر کے لٹریچر میں بھی نہیں ملی۔

حافظ جی کو فقہ نہیں آتی: حق تعالیٰ کا قانون ہے کہ بندہ جس نعمت کی ناشکری کرے وہ نعمت خدا اس سے چھین لیتا ہے۔ لامذہب غیر مقلدین نے فقہ کے خلاف زبان طعن دراز کی خدا نے یہ نعمت ان سے چھین لی۔ حافظ صاحب تو کیا۔ ان کے بڑے بڑے علماء اس سے محروم ہیں ان کے بڑے بڑے مدارس میں ہدایہ پڑھانے کے لیے حنفی مدرسین رکھتے ہیں۔

نفسِ مسئلہ:

صاحب ہدایہ نے یہاں دو قسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اور دو قسم کی مدت بیان کر کے دونوں قسموں کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے۔

۱...... وہ عورت جو خاوند کے نکاح میں ہے اور بغیر اجرت لیے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اس بچے کی مدت رضاعت اڑھائی سال بیان کی ہے اور دلیل میں قرآن پاک کی آیت پیش فرمائی "وحملهٗ و فصاله ثلاثون شهرا" (الاحقاف) اٹھانا بچے کو اور دودھ چھڑانا اس کا تیس ماہ (اڑھائی سال) میں۔ اس آیت میں حمل کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ پیٹ میں اٹھانا یا گود میں اٹھانا اگر یہاں پیٹ میں اٹھانا مراد ہو تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اڑھائی سال اور دودھ چھڑانے کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اڑھائی سال ہوئی۔ اگر کوئی شخص یہاں حمل کا معنی پیٹ میں اٹھانے کا لے اور اڑھائی سال دونوں کی مجموعی مدت قرار دے تو وہ بتائے کہ جو بچہ چھ ماہ ماں کے پیٹ میں رہا وہ تو دو سال دودھ پیئے گا، جو ۹ ماہ پیٹ میں رہا وہ پونے دو سال جو ڈیڑھ سال ماں کے پیٹ میں رہا وہ ایک سال دودھ پیئے اور جو دو سال ماں کے پیٹ میں رہے وہ چھ ماہ دودھ پیئے اور بعض کے نزدیک تو حمل چار سال تک بھی رہ سکتا ہے تو ایسے بچے پر تو ایک قطرہ دودھ بھی حرام ہوگا۔ اس لیے آسان مطلب یہ ہے کہ حمل میں گود میں اٹھانا مراد لیا جائے تو آیت کا معنی ہوگا اور گود میں اٹھانا اور دودھ چھڑانا اس کا تیس ماہ یعنی اڑھائی سال میں (تفسیر احکام القرآن ج ۱ ص ۳۹۱ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

۲......دوسری وہ عورت ہے جس کو خاوند نے طلاق دے دی ہے اور وہ اب بچے کو اجرت پر دودھ پلا رہی ہے اس میں مرد، عورت اور بچے تینوں کے حقوق کو مدنظر رکھ کر دوسال مدتِ رضاعت کی اجرت لینے کا حق دیا ہے۔ اور اس پر صاحب ہدایہ سورۃ البقرہ والی آیت اور حدیث "لا رضاع بعد الحولین" پیش فرما رہے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرماتے ہوئے جن کو طلاق مل چکی ہے اور وہ اجرت پر دودھ پلا رہی ہیں فرماتے ہیں "ولوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف" (البقرة) اور اجرت پر دودھ پلانے والی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں پورے دوسال اس خاوند کے لیے جو اجرت والی مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے۔ اور والد پر ضروری ہے کہ ان دوسالوں میں اس عورت کو نان ونفقہ دے رواج کے موافق۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر دوسال کے بعد اگر "فان ارادا فصالا" اگر وہ دونوں دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں "عن تراض منهما وتشاور" باہمی رضامندی اور مشورہ سے تو "فلا جناح علیهما" ان پر کوئی گناہ نہیں۔ "فان اراده فصالا عن تراض فان ذکر بحرف انعاء بالتراضی ولو کان الرضاع بعده حراما یعلق به لانه لا اثر للتراضی فی ازالة المحرم شرعا" عنایہ علی الہدایہ ص ۳۵۰ حاشیہ نمبر ۱۴) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت "فان ارادا فصالا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں قبل الحولین اور بعد الحولین۔ (تفسیر ابن جریر بسند حسن ج ۲ ص ۳۰۲) یعنی دوسال سے پہلے چھڑانا چاہیں یا دوسال کے بعد اور حضرت عطاء بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں اگر چاہے تو دوسال سے زیادہ پلائے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۳۰۲)

اب دیکھیے حافظ صاحب نے دو بددیانتیاں تو قرآن کے ساتھ کیں اڑھائی سال والی آیت کا سرے سے انکار کر دیا دوسال والی آیت میں ایک بددیانتی تو یہ کی کہ یہ نہ بتایا وہ مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے جو اجرت پر دودھ پلائیں، دوسری بددیانتی یہ کی کہ اس کے

بعد آیت "فان ارادا فصالا" کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا اور تین بددیانتیاں ہدایہ کے ساتھ کیں۔ صاحبِ ہدایہ نے اڑھائی سال کی دو دلیلیں بیان کی تھیں ایک قرآنی اور ایک عقلی دونوں میں سے کسی کا نام تک نہ لیا اور دوسال والی آیت کا مطلب جو صاحب ہدایہ نے بیان کیا تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ان چھ کے علاوہ ساتویں بددیانتی یہ کی کہ ان کے مذہب میں داڑھی والے بوڑھے کو بھی پستان نوشی کی اجازت ہے۔ (عرف الجادی، نزل الابرار) جو قرآن کی دونوں آیتوں کے خلاف ہے یہاں حافظ صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ ان پر گونگے شیطان ہونے کا یقین ہونے لگا ورنہ وہ چیخ اٹھتے کہ کیا قیامت آ گئی ہے کہ حدیث حدیث کا نام لے کر قرآن پاک کی کھلم کھلا مخالفت کی جا رہی ہے اور آٹھویں بددیانتی یہ کی کہ حنفی مذہب کے مفتیٰ بہ قول کی وضاحت نہ کی۔ احناف کو کسی بات پر ضد نہیں ہے امام صاحب اڑھائی سال کے قائل ہیں اور صاحبین دوسال کے اس لیے احناف ان میں تطبیق اس طرح دیتے ہیں دودھ پلانے میں دوسال کی مدت پر اتفاق ہے کہ دودھ حلال ہے چھ ماہ میں اختلاف ہے جہاں حرام حلال میں تعارض ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیے تو دودھ پلانے میں فتویٰ دوسال پر مناسب ہے تاکہ مشکوک دودھ جو خلافِ تقویٰ ہے اس سے پرہیز ہو جائے دوسری طرف اگر کسی بچے نے عورت کا دودھ دوسال کے بعد اڑھائی سال کے اندر پی لیا تو وہ اس کی رضائی ماں بنے گی یا نہ اڑھائی سال والے فتویٰ پر ماں بنے گی اور دوسال والے قول پر ماں نہیں بنے گی اب اس عورت اور اس کی بیٹیوں سے نکاح جائز ناجائز ہونے کا سوال اٹھے گا تو احتیاط اسی میں ہے کہ اڑھائی سال والے قول پر فتویٰ دے کر حرمت مان لی جائے ایسا نہ ہو کہ ساری عمر حرام میں مبتلا رہے اور یہ بات بھی حدیث کے عین موافق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے دو کے درمیان کچھ متشابہات ہیں ان سے بچو۔ اب دیکھو کہ حافظ صاحب نے فقہ کے ایک مسئلہ کو قرآن کے خلاف ثابت کرنے کے لیے آٹھ بددیانتیاں کیں۔ جس کی مثال ماسٹر رام چندر کے ہاں بھی نہیں ملتی اور یہ بات تو صاف سمجھ

میں آ گئی کہ حافظ صاحب کو نہ قرآن آتا ہے اور نہ فقہ آتی ہے وہ جاہل مرکب ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۴:

مشرک کا حرمِ پاک میں داخلہ:

سورہ توبہ میں ہے کہ مشرک حرم پاک کے قریب نہ پھٹکیں اور ہدایہ میں ہے کہ اہل ذمہ کے داخلہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہم تو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ حافظ صاحب کو نہ قرآن آتا ہے اور نہ ہی فقہ آتی ہے۔ قرآن پاک میں دو آیات ہیں۔

① ......**اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين لهم فى الدنيا خزى ولهم فى الآخرة عذاب عظيم" (البقرة:۱۴)**

ان کو نہیں چاہیے تھا کہ ان مساجد میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی (جزیہ دینے کی) اور آخرت میں عذاب ہے بڑا۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ اہل ذمہ کا مساجد میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ وہ مغلوب و مقہور ہوں۔

② ......آنحضرت ﷺ نے ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اعلان کروایا جو خدا کی طرف سے تھا۔ **"يايها الذين آمنوا انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا وان خفتم عيلة فسوف يغنيكم الله"** (التوبة:٤)

اے ایمان والو! مشرک (اعتقاداً) نرے مشرک ہیں (اور چونکہ اعتقادی ناپاکوں کی کوئی عبادت قبول نہیں اس لیے وہ حج کے لیے) مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اس سال کے بعد (سال کا لفظ اس لیے فرمایا کہ حج کے لیے آنا سال کے بعد ہی ہوتا ہے) اور اگر تمہیں اے مسلمانو! مفلسی کا اندیشہ ہو (کیونکہ حج کے موقع پر کافر تاجر بھی سامان لاتے اور اسی تجارت سے روزی کا سامان بنتا) تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ اگر وہ حج کے لیے نہ آئیں گے تو

تجارت ختم ہو جائے گی جو اقتصادیات کی جان ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی فرما دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنائی توجہ کے اتنے بڑے مجمع میں یہی اعلان فرمایا **"الا لا یحج بعد عامنا هذا مشرك"** (روح المعانی ج ۱۰ ص ۷۷) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔

معلوم ہوا کہ اس آیت کا مقصد حج عمرہ سے مشرکین کو روکنا ہے۔ آیت کا یہی مطلب صراحۃً ہدایہ میں مذکور ہے فرماتے ہیں **والآية محمولة على الحضور استيلاء واستعلاء او طائفين عراة كما كانت عادتهم فى الجاهلية"** (هدايه ج ۴ ص ۴۷۲) یعنی اس آیت سورہ التوبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلبہ و بلندی کے ساتھ اتراتے ہوئے حرم میں داخل نہ ہوں یا حج کے لیے ننگے طواف کرتے ہوئے داخل نہ ہوں۔ جیسا کہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی۔ دیکھیے احناف نے اس آیت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کا وہی مطلب بیان کیا جو آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے اور جس کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نزول آیت کے وقت مجمع حج میں فرمایا تھا۔

رسول اقدس ﷺ کا طرزِ عمل:

اس آیت سورہ توبہ کے نازل ہونے کے بعد وفد ثقیف حاضر ہوا اور آنحضرت ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا۔ (ابوداؤد، کتاب الخراج، باب: خبر الطائف ج ۲ ص ۷۲) طبرانی میں ہے کہ **"فضرب لهم قبة فى المسجد"** ان کے لیے مسجد میں قبہ لگایا گیا۔

(نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۷۰)

اور مراسیل ابی داؤد میں حضرت امام حسن بصری سے روایت ہے کہ جب اس وفد کو حضور ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا تو آپ ﷺ سے کہا گیا آپ ان کو مسجد میں اتار رہے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں تو آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی ہے بے شک ابن آدم نجس ہوتا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۷۰)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مشرک کی نجاست دخول مسجد سے مانع نہیں ہے۔

آیت کی تفسیر نبی اقدس ﷺ سے:

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ جائے ہاں مگر کوئی غلام یا لونڈی جو کسی حاجت کے لیے جائیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۸۹)

صحابی سے تفسیر:

حضرت جابر بن عبداللہ صحابی فرماتے ہیں بے شک مشرک نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر کوئی غلام یا اہل ذمہ میں سے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۷۶)

تابعی سے تفسیر:

حضرت قتادہ تابعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ جائے مگر کوئی مشرک جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا جزیہ دینے والا ذمی ہو۔
(تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۷۶)

دورِ فاروقی میں نصرانی کا حرم میں داخلہ:

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک عیسائی بغرض تجارت آیا تو اس سے عشر لیا گیا وہ دوبارہ آیا تو پھر اس سے عشر کا مطالبہ کیا گیا اس نے عشر دینے سے انکار کیا اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا جو اس وقت مکہ مکرمہ حرم پاک میں تھے اور خطبہ میں فرما رہے تھے "ان اللہ جعل البیت مثابة للناس" اس عیسائی نے کہا: امیر المؤمنین! زیاد بن حدیر مجھ سے بار بار عشر مانگتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عشر سال میں تیرے مال پر صرف ایک دفعہ ہے۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۱۶۲)

اب اگر امام صاحب نے فرما دیا کہ "لا باس بان یدخل اھل الذمة المسجد

الحرام" (ھدایہ ج ۴ ص ۴۷۲) تو یہ قرآن کی آیت "یدخلوھا خائفین" کے موافق ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے فعل کے موافق ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے صحابیؓ، تابعی فرماتے ہیں کہ یہ داخلہ آیت توبہ کے خلاف نہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مجمع عام میں نصرانی حرم پاک میں داخل ہوا کسی ایک شخص نے بھی اٹھ کر آیت "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام" پڑھ کر نہ سنائی۔ معلوم ہو گیا کہ ان سب صحابہ و تابعین کے نزدیک بھی کسی ذمی کا وقتی طور پر مسجد حرام میں داخلہ کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ تھا۔

الغرض حافظ صاحب نے اس اعتراض میں کئی بددیانتیاں کیں۔

۱..... آیت "یدخلوھا خائفین" کا انکار کرنا پڑا۔

۲..... التوبہ کی آدھی آیت کا ترجمہ کیا باقی چھوڑ دیا تاکہ سیاق و سباق کا پتہ نہ چلے۔

۳..... سورہ توبہ کی آیت کی تفسیر میں ذمی کو داخل کر کے نبی پاک ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی مخالفت کی۔

۴..... اس آیت کے ساتھ حضرت علیؓ نے جو اعلان فرمایا تھا اس کو چھپایا۔

۵..... صاحب ہدایہ نے مسئلہ کی دلیل میں وفد ثقیف والی حدیث بیان کی تھی اس کا نام تک نہ لیا۔

۶..... صاحبِ ہدایہ نے آیت التوبہ کا جو صحیح محل بیان فرمایا تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ڈیڑھ سطر میں ۶ بدعنوانیاں ہیں جن میں نہ قرآن کو معاف کیا، نہ صاحبِ قرآن کو، نہ فقہ کو۔ اس کی مثال قادیانی لٹریچر میں ملنی بھی محال ہے۔ حافظ صاحب فقہ کے بغض میں وہ بے ایمانیاں کرتے ہیں کہ قادیانی ریکارڈ بھی توڑ ڈالا۔ "قل موتوا بغیظکم"

اعتراض نمبر ۲۵:

کافر کو عبادت کے لیے مکان کرایہ پر دینا:

قال ومن آجر بیتاً لیتخذ فیه بیت نار او کنیسة ادبیة ادبیا ع فیه الخمر

بالسواد فلا بأس به وقالا لا ينبغي ان يكريه بشيء من ذلك لانه اعانة على المعصية وله ان الاجارة ترد على منفعة البيت ولهذا يحب عجز والتسليم والا معصية فيه و انما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار فيه فقطع نسبته عنه وانما قيده بالسواد لانهم لا يمكنون من اتخاذ البيع والكنائس واظهار بيع الخمور والخنازير فى الامصار نطهور شعائر الاسلام فيها قالوا هذا فى سواد الكوفة لان غالب اهلها اهل الذمة فاما فى سوادنا فاعلام الاسلام ظاهرة فيها فلا يمكنون فيها ايضا وهو الاصح۔ (ہدایہ ج۴ص۴۷۰)

صاحبِ ہدایہ نے تین صورتیں مسئلہ کی ذکر فرمائی ہیں۔

①......ایک مسلمان کا مکان کسی شہر میں ہے جہاں شعائرِ اسلام یعنی جمعہ، جماعت عید، اقامتِ حدود جاری ہیں وہاں کسی مسلمان کو وہ مکان ایسے لوگوں کو کرائے پر دینے کی اجازت نہیں۔ اس لیے نہیں کہ یہ ان کے ساتھ تعاون ہے بلکہ اس لیے اس میں شعائرِ اسلام کا استخفاف ہے۔

②......کسی مسلمان کا مکان ایسے گاؤں میں ہے، جس میں مسلمان بھی آباد ہیں اور جمعہ، جماعت وغیرہ شعائرِ اسلام ادا ہوتے ہیں۔ وہاں بھی مکان ان کو کرائے پر دینا جائز نہیں کیونکہ شعائرِ اسلام ظاہر ہیں۔

③......کسی مسلمان کا مکان ایسے گاؤں میں ہے جہاں غالب اکثریت اہلِ ذمہ کی ہے اور شعائرِ اسلام کا ظہور نہیں جمعہ یا جماعت بھی نہیں ہوتی ایسے گاؤں میں جہاں غالب اکثریت اہل ذمہ کی ہے اور شعائرِ اسلام کا ظہور نہیں۔ ایسے گاؤں میں وہ پہلے ہی غالب ہیں اس لیے ان کو کرائے پر مکان دینے میں نہ تو شعائرِ اسلام کا استخفاف ہے اور نہ ہی تعاون ہے پس کوئی وجہ حرمت کی نہیں۔

عدم تعاون کی دلیل صاحب ہدایہ نے یہ ذکر کی ہے کہ کرایہ پر تو مکان اس لیے دیا جاتا ہے کہ کرائے پر لینے والا اس مکان سے منفعت حاصل کرے۔ اگر مکان خالی ہی رہے تو بھی

کرایہ اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کرائے پر دینے کا عمل یہاں تک ہی ہے۔ اس کے بعد جو گناہ ہے وہ کرایہ پر لینے والے کا ہے، جس میں وہ مختار ہے۔ مکان والے کی طرف سے کوئی زبردستی نہیں۔ اس لیے اس گناہ میں مکان والے کا کوئی تعاون نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص نے لونڈی فروخت کی خریدار نے بغیر استبراء اس سے صحبت کی تو اس میں بیچنے والے کو کوئی گناہ نہیں یا کسی نے غلام فروخت کیا۔ خریدار نے اس غلام سے اغلام بازی کی تو اس گناہ میں بیچنے والا ہرگز شریک نہیں۔ حافظ صاحب یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کو رہائش کے لیے مکان دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر وہ کافر اس مکان میں اپنے طرز پر عبادت بھی کرے گا۔ آتش پرست آگ کی پوجا کرے گا، صلیب پرست صلیب کی، بت پرست بت کی۔ تو کیا آپ کرایہ پر دینے والوں کو اس کا معاون سمجھیں گے۔ کسی کرایہ دار نے کرایہ کے مکان میں زنا کیا، شراب پی یا قتل ناحق کیا تو کیا مالک مکان پر آپ حدود جاری کرائیں گے۔

آپ نے جو قرآن کی آیت پیش کی نہ اس کا ترجمہ اس مسئلہ کا رد، نہ اس کا شانِ نزول، یہ مسئلہ نہ کسی حدیث صحیح سے یہ ثابت کہ دوسرے کے فعل مختار میں مالک مکان معاون ہوتا ہے۔ محض بے موقع آیت پڑھی اور مفت کا گناہ کمایا۔ معلوم ہوگیا کہ آپ کو نہ قرآن آتا ہے نہ فقہ۔

نہ ہوئے علم سے واقف نہ دینِ حق کو پہچانا
پہن کر جبہ و شملہ لگے کہلانے مولانا

اعتراض نمبر۲۶:

شیرہ انگور (مثلث): جس کا دوتہائی جل جائے ایک تہائی باقی رہ جائے۔

قرآن پاک میں یہ پڑھا ہے کہ ملائے اعلیٰ کی میٹنگ ہوتی ہے تو شیطان پوری میٹنگ سے ایک آدھ بات اچک لیتا ہے پھر اس کے ساتھ بفرمانِ رسول ﷺ جھوٹ ملا کر پھیلاتا

ہے۔ یہی طرزِ عمل فقہ کے ساتھ لامذہبوں کا ہے۔ ہدایہ میں مسئلہ یہ ہے کہ شیرۂ انگور کو اگر اتنا پکایا جائے کہ اس میں شدت آ جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہے۔ ہاں اگر شراب کو اتنا پکایا جائے کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو وہ ہرگز حلال نہیں۔ (ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۴، ۴۹۵) یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کوئی ضرورت شدہ مثلاً (ایک شخص اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ وہ فرض عبادت بھی ادا نہیں کر سکتا اور اس کے پینے سے اس میں طاقت آئی ہے اور وہ عبادت کر سکتا ہے تو) عبادت پر طاقت حاصل کرنے کے لیے پی سکتا ہے ورنہ اگر لہو و طرب مقصود ہو تو بالاتفاق حلال نہیں۔

(ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۴)

نوٹ:

یہ مثلث بھی اس وقت تک پینا جائز ہے جب تک نشہ نہ آئے۔ اگر نشہ آ جائے تو پھر یہ بھی حرام ہے۔

حافظ صاحب نے پہلے تو ہدایہ کی عبارت کا ترجمہ غلط کیا اشتد کا ترجمہ نشہ کیا جو غلط ہے۔ اگر حافظ صاحب کے نزدیک یہ ترجمہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ جو نبیذ پیتے تھے۔ اس کے بارہ لفظ ہے مکان اسد النبیذ (طحاوی ج ۲ ص ۳۵۹)

کیا یہاں بھی وہ یہی ترجمہ کریں گے کہ بہت نشہ آور نبیذ پیتے تھے۔

(۲) امام صاحبؒ کے نزدیک لہو و طرب کے لیے حرام ہے اس کا ذکر تک حافظ نے نہ کیا اور ضرورت کے حکم کو حکم عام بنا کر پیش کر دیا جیسے بوقت ضرورت شدیدہ مردار کھانے کا جواز قرآن میں ہے۔ اب کوئی اس کو عام حکم بنا کر پیش کرے تو کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

(۳) اس مسئلہ کے خلاف کوئی صریح حدیث حافظ صاحب پیش نہیں کر سکے جس میں حضور ﷺ کا فرمان ہو کہ شیرۂ انگور کو پکایا جائے اگر دو ثلث جل جائے ایک ثلث رہ جائے تو بھی بوقت ضرورت حرام ہے۔ ایسی کوئی حدیث ہو تو حافظ صاحب پیش کریں۔

(۴) حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم طلاء مثلث کو جائز کہتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۸)

(۵) حضرت براء بن عازب اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہما تو نصف جل جانے کے بعد بھی پی لیتے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۸)

(۶) حضرت ابو درداءؓ الخمر شراب میں مچھلی ڈال کر دھوپ میں رکھ دیتے پھر فرماتے کہ مچھلی نے شراب کو ذبح کر دیا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۲۶)

(۷) حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے شکایت کی کہ ہمارے علاقہ میں ایک وبا ہے جو فلاں چیز پینے کے بغیر نہیں جاتی۔ آپؓ نے فرمایا کہ شہد استعمال کرو انہوں نے کہا شہد سے ٹھیک نہیں ہوتی تو انہوں نے اس کو پکایا یہاں تک کہ دو تہائی جل گیا اور ایک تہائی باقی رہا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو چکھا، فرمایا: یہ تو طلاء کی مثل ہے۔ پھر ان کو پینے کی اجازت دی۔

(موطا امام مالک ص ۳۵۸)

دیکھیے بوقت ضرورت مثلث کے پینے کی حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی اور اس قسم کی مشروبات کا پینا حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت معاذ، حضرت براء رضی اللہ عنہم وغیرہ جلیل القدر صحابہ سے ثابت ہے کیا حافظ صاحب معاذ اللہ اب احناف کی ضد میں ان صحابہ کو منکرِ حدیث اور شرابی کہیں گے۔ (معاذ اللہ)

اعتراض نمبر ۲۷:

اجرت دے کر زنا کرے تو حد نہیں (حد اور تعزیر کا فرق):

حافظ صاحب نے یہ مسئلہ اجمالاً نقل کر دیا ہے نہ اس کو مسئلہ کی سمجھ ہے اور نہ ہی دوسرے لامذہبوں کو وہ یہ مسئلہ بیان کر کے کبھی تو کہا کرتے ہیں کہ یہ فعل احناف کے ہاں گناہ نہیں بالکل جائز ہے کبھی کہا کرتے ہیں کہ حد نہ ہونے کا مطلب ہے کہ ان پر کسی قسم کی سزا نہیں۔

حالانکہ یہ محض فریب ہے۔

اسلام میں جو کام گناہ کبیرہ ہیں ان پر شرعی سزا دی جاتی ہے۔اس سزا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حد دوسری تعزیر۔حد وہ سزا ہے جو نص قطعی یا اجماع قطعی سے مقرر ہو اس میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو نہیں یہ حدود قیاس واجتہاد سے ثابت نہیں ہوتیں اور بعض شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

دوسری قسم کی سزا تعزیر ہے جو ہر اس گناہ پر لگائی جاتی ہے جس میں شرعی حد ثابت نہ ہو یا شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے۔ چنانچہ لکھا ہے۔"**کل مرتکب معصیة لا حد فیها فیها التعزیر**" (درمختار ج ۳ ص ۱۸۲) ہر وہ گناہ جس میں حد نہ ہو۔(لا حد) ان میں تعزیر ہے۔"**من ارتکب جریمة لیس فیه حد مقرر**" (ہدایہ ج ۲ ص ۵۱۶) جس شخص نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس میں حد مقرر نہیں تو تعزیر لگائی جائے گی۔

تعزیر کی سزا قید سے بھی دی جاسکتی ہے کوڑوں سے بھی مثلاً ۷۹ کوڑے یا ۹۹ کوڑے اور قتل سے بھی "**ویکون التعزیر بالقتل**" (درمختار ج ۳ ص ۱۷۹)

یہ تعزیر کوئی معمولی سزا نہیں بلکہ تعزیر کے کوڑے زنا کی حد کے کوڑوں سے بھی زیادہ سختی سے لگائے جاتے ہیں۔(درمختار ج ۲ ص ۱۸۱،۱۸۲) معلوم ہوا کہ حد نہ ہونے کا یہ مطلب لینا کہ کوئی گناہ نہیں یا کوئی سزا نہیں ایک بہت بڑا فریب ہے۔ اگر اب بھی لامذہب ضد کریں تو ہم ان کو یہ لفظ حدیث کی کتابوں میں دکھاتے ہیں وہاں بھی یہی ترجمہ کریں "**عن ابن عباس من اتی بھیمة فلا حد علیه**" (ترمذی ج ۱ ص ۲۲۹، ابن ماجہ ص ۱۸۷)

حضرت عمر ؓ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کسی چوپائے سے بدفعلی کی تھی آپ نے اس پر حد نہیں لگائی۔ (کتاب الآثار محمد ص ۹۲)

حضرت علی ؓ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کسی چوپائے سے بدفعلی کی تھی انہوں نے حد نہیں لگائی۔(المبسوط للسرخسی ج ۹ ص ۱۰۲)

کیا اب آپ ایک اشتہار شایع کریں گے کہ (معاذ اللہ)۔ حضرت عمر، حضرت علی،

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ (ترمذی اور ابن ماجہ) کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی گدھی، گھوڑی، بلی، کتیا، گیدڑی، خنزیری، بکری اور بھیڑ وغیرہ سے بدفعلی کرے تو کوئی حد نہیں، اور یہ کام بالکل جائز ہے کسی قسم کا گناہ نہیں نہ ہی کسی قسم کی سزا ہے۔ ورنہ فقہ میں موجود لفظ "حد نہیں" سے عوام کو گمراہ نہ کریں۔

امام طحاوی ؒ فرماتے ہیں حدود میں قیاس کو دخل نہیں۔ مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور شراب چاروں حرام ہیں۔ مگر حد صرف شراب پر ہے۔ مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانے پر حد نہیں۔ اسی طرح کسی کو زنا کی تہمت لگانا حرام ہے۔ اس پر ۸۰ کوڑے حد ہے اور وہ مردود الشہادۃ بھی ہے۔ اور فاسق بھی اور کسی مسلمان کو کافر کہنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے مگر اس پر حد شرعی مقرر نہیں۔ (طحاوی ج ۲ ص ۹۸)

اب مردار کھانے، خون پینے، خنزیر کھانے، کسی کو کافر کہنے پر کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے حد ثابت کریں کہ کتنے کوڑے ہے اگر ثابت نہ کر سکیں اور قیامت تک نہیں کر سکیں گے تو مردار کھانا شروع کر دیں، خون پینا اور خنزیر کھانا شروع کر دیں۔ اپنی جماعت کو کافر کہنا شروع کر دیں اگر یہ پسند نہ ہو تو فقہ کی کتاب میں حد نہ ہونے کا لفظ دیکھ کر لوگوں کو مغالطے نہ دیں۔

لامذہب غیر مقلدو بتاؤ سود کھانے والے، شراب پینے والے، پاخانہ کھانے والے نذر لغیر اللہ دینے اور کھانے والے پر حدیث صحیح سے کتنے کوڑے حد ثابت ہے اگر حد ثابت نہ کر سکو تو ان پر عمل کر کے دکھاؤ۔

لامذہبو بتاؤ! غیر اللہ کو پکارنے، قبروں، تعزیوں کو سجدہ کرنے والوں، کسی بزرگ کے مزار کا حج وطواف کرنے والوں، عید میلاد النبی کے جلوس نکالنے والوں، تیجا، ساتواں، چالیسواں کرنے والوں وغیرہ پر حدیث صحیح میں کتنے کوڑے حد ثابت ہے۔ اگر ثابت نہ کر سکو تو ان کاموں کو کرنا شروع کر دو۔ لوگوں کو کہو کہ نہ یہ گناہ ہیں نہ ان پر کوئی سزا ہے کیونکہ ثابت نہیں۔

حافظ جی بتایئے! اپنی بیوی جب حیض کی حالت میں ہو یا نفاس میں مبتلا ہو یا احرام باندھ کر حج کر رہی ہو یا اس نے رمضان کا فرض روزہ کھایا ہوا ہو یا فرض نماز ادا کر رہی ہو اس سے صحبت کرنا حلال ہے یا حرام اگر حرام ہے تو اس پر مرد پر کتنے کوڑے حد شرعی مقرر ہے۔ ذرا احادیث صحیحہ سے ثابت کردیں۔ یا ان سب کے جواز کا فتویٰ دیں۔

حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے:

احادیثِ نبویہ ﷺ اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ حدود وشبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ ائمہ اربعہ میں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ شوکانی صاحب غیر مقلد بھی لکھتے ہیں "ویسقط بالشبهات المحملة" (درربیهه) نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد اس جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "لحدیث ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ادرؤا الحدود من المسلمین مااستطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام ان یخطی فی العقوبة"

وقد رواه الترمذی ص ۲۲۴ ایضا من حدیث الزهری عن عروة عن عائشة وقد اعل بالوقف واخرج ابن ماجة ص۱۸۵ من حدیث ابی هریرة مرفوعا بلفظ اوقعوا الحدود ما وجدتم لها مدفعا وقد روی من حدیث علی مرفوعا ادرؤا الحدود بالشبهات وروی نحوهٗ عن عمر و ابن مسعود باسناد صحیح وفی الباب من الروایات ما یعفد بعفه بعضا و محا یوید ذالك قوله ﷺ لو کنت راجما احدا بغیر بینة لرحمتها یعنی امراة بعجلانی کما فی الصحیحین من حدیث ابن عباس۔ (الروضة الندیة ص۳۵۵)

ہم نے لا مذہبوں سے پوچھا زنا موجب حد کی شرعی تعریف اور شبہ کی شرعی تعریف قرآن کی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے کرو لیکن سارے لا مذہب مولوی صم بکم بنے بیٹھے تھے۔ وہ قرآن وحدیث سے یہ تعریفیں نہ دکھا سکے پھر ہم نے کہا کہ جو تعریفیں

فقہاء نے لکھی ہیں ان کا غلط ہونا صحیح صریح احادیث سے ثابت کردو لیکن یہاں بھی وہ کوئی حدیث پیش نہ کر سکے۔ لوگ حیران تھے کہ رات دن حدیث کی گردان کرنے والے مطلوبہ احادیث میں سے ایک بھی حدیث پیش نہ کر سکے اور ان کی جہالت کا پردہ فاش ہو گیا۔

اعتراض نمبر ۲۸:

حنفیوں کی کتاب منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ خنزیر کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اس میں نماز بھی جائز ہے۔

جواب:

اصل مسئلہ: مذہب حنفی کی ظاہر الروایت یہی ہے کہ خنزیر اور اس کے تمام اجزاء نجس عین ہیں۔ (منیۃ المصلی ص ۶۶) خنزیر کے تمام اجزا پیشاب اور پاخانے کی طرح ناپاک ہیں۔ (منیۃ المصلی ص ۶۴) اصحاب ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ) سے ظاہر روایت یہی ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ (منیۃ المصلی ص ۶۴) یہی مذہب حنفی ہے اسی پر پوری دنیا میں احناف کا عمل ہے۔

اصل عبارت:

جس عبارت کا اس غیر مقلد نے حوالہ دیا ہے۔ پوری عبارت مع شرح منیہ یہ ہے۔
"وذكر فی نوادر ابی الوفا قال یعقوب یعنی ابا یوسف لو صلی فی جلد خنزیر مدبوغ جاز و قد اساء نباء علی انهٗ یطهر بالدباغ عنده فی غیر ظاهر الروایة وقد تقدم وقال ابو حنیفة ومحمد لا تجوز صلاة فیه ولا یطهر بالدباغة وقد مر ان هذا هو ظاهر الروایة عن ابی یوسف ایضًا (کبیری ص۱۹۵، متن منیة المصلی ص۹۰، خلیة المحلی شرح منیة المصلی) میں بھی اس روایت کو شاذہ کہا ہے۔ (برمنیۃ ص ۶۴ حاشیہ نمبر ۷)

فریب نمبرا:

مذہب حنفی جو ظاہر الروایت ہے جس پر ہر جگہ عمل ہے اس کے خلاف شاذ روایت بیان کی یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ گمراہ لوگ قرآن پاک کے متعلق وسوسہ ڈالنے کے لیے شاذ قراتوں سے تحریف قرآن ثابت کر کے عوام اہل اسلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتے ہیں۔

فریب نمبر۲:

قد اساء کا لفظ بیان ہی نہیں کیا۔

فریب نمبر۳:

نہ یہ بتایا کہ روایت نوادر کی ہے۔

فریب نمبر۴:

آپ کے مذہب میں تو خنزیر سارا بلا دباغت پاک ہے۔ مصلّی بنائیے۔ مشک بنائیے۔
(بدور الاہلہ ص۱۶، عرف الجادی ص۱۰)

اعتراض نمبر۲۹:

منیۃ المصلی کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر آدھا بچہ باہر اور آدھا اندر ہو تو اس وقت بھی عورت پر نماز معاف نہیں ہوتی۔

جواب:

غیر مقلد نے پوری عبارت نقل نہیں کی۔ پہلے ہم پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔ شارح منیۃ المصلی نقل کرتے ہیں:

"وفی الذخیرة امرأة خرج رأس ولدها وخافت فوت الوقت توضأت ان قدرت والا تیممت وجعلت رأس ولدها فی تدر او حضیرة وصلت قاعدة

بر کوع وسجود فان لم تستطعهما تؤمی ایماء ای تصلی بحسب طاقتها ولا تفوت الصلاة عن وقتها لانها لم تصر نفساء بخروج الولد مالم تر الدم بعد خروج کله والدم الذی تراه فی حالة الولادة قبل خروج الولد استحاضة لا تمنع الصلاة فکانت مکلفة بقدر وسعها فلا یجوز لها تفویت الصلاة عن وقتها الا ان عجزت بالکلیة کما فی سائر المرضی۔ (ص ۲۶۴، منیة المصلی ص ۱۱۵، ۱۱۶ حاشیه نمبرا)

جواب:

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

(ا) بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون عورت کو آتا ہے وہ نفاس ہے اس میں نماز معاف ہے۔

(ب) بچے کا تھوڑا حصہ نکلتے وقت جو خون عورت کو آتا ہے وہ استحاضہ ہے اس میں نماز معاف نہیں۔

(ج) بعض عورتوں کو دو دو دن ایسے گزر جاتے ہیں کہ نفاس نہیں آیا، استحاضہ آتا رہا بچہ بھی پورا پیدا نہیں ہوا۔

(د) ان وقتوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ نفاس سے قبل نماز معاف نہیں ہوتی۔ اس لیے جو باقی بیماروں کا حکم ہے وہی اس عورت کا ہے۔ اگر وضو کر سکتی ہے تو بہتر ورنہ تیمم کر لے۔ اگر بیٹھ کر رکوع سجدہ سے پڑھ سکتی ہے تو بہتر ورنہ اشارہ سے پڑھ لے۔ اگر اتنا بھی نہیں کر سکتی تو باقی مریضوں کی طرح وہ معذور ہے۔

اگر لامذہب اس مسئلہ کے خلاف ایک صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر دے تو ہم صراحۃً لکھ دیں گے کہ یہ مسئلہ قرآن یا حدیث کے خلاف ہے اور لامذہب قیامت تک ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے گا۔

ہم تو صاف کہہ دیں گے کہ جب یہ مسئلہ نہ قرآن کے خلاف ہے نہ حدیث صحیح کے لیکن اس کے مقدمات اجماعاً مسلم ہیں تو اس کو ماننا ضروری ہوا۔

اعتراض نمبر ۳۰:

رطوبت فرج پاک ہے۔

جواب:

احناف کے ہاں اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔

① ......عورت کو پیشاب کی جگہ آگے کی کھال کے اندر پانی پہنچانا غسل میں فرض ہے۔ اگر پانی نہ پہنچے تو غسل نہ ہوگا۔ (بہشتی زیور ج ۱ ص ۷۱) یہ جگہ فرج خارج اور فرج داخل کی درمیانی جگہ ہے جہاں غسل کے وقت پانی پہنچانا فرض ہے باقی بدن کی طرح اس جگہ بھی پسینہ وغیرہ آتا ہے۔ اس کا حکم بدن کے بیرونی پسینے کا ہی ہے یہ پاک ہے۔ ورنہ عورت کو ہر وضو کے وقت استنجاء کا حکم ہوتا۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۱۲، ۲۰۸) اس کے پاک ہونے میں اتفاق ہے۔

② ......وہ رطوبت جو ماوراباطن الفرج سے آئے فَإِنَّهُ نَجَسٌ قَطْعًا (رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۸) یہ بالاتفاق نجس ہے لیکوریا وغیرہ۔

③ ......فرج داخل باہر سے بند ہے اور اندر سے جوف دار ہے تو حرارتِ عزیزی جو تمام جسم میں دائر سائر ہے۔ رطوبت بدنیہ کو بخارات بنا کر مساماتِ جلدیہ سے باہر نکالتی رہتی ہے۔ اس جوف میں وہ پسینہ سا جمع ہو کر مبدل بہ رطوبت ہو جاتا ہے۔ اگر اس رطوبت میں خون یا منی یا مذی مرد یا عورت کی شامل ہو جائے تو بالاتفاق نجس ہے۔ (رد المحتار ص ۲۳۳)

④ ......اگر اس رطوبت میں منی وغیرہ کی ملاوٹ نہ ہو تو اس کے پاک ناپاک ہونے میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک پاک ہے اور صاحبین کے نزدیک نجس ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں "وھو الاحتیاط" یعنی احتیاط صاحبین کے قول میں ہے اور تاتارخانیہ

میں اس اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ انڈا اگر پانی میں گر جائے تو اس پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس انڈے پر فرج کی رطوبت لگی ہوتی ہے۔ اور اس کراہت کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۳) اب دیکھیے ان کا اپنا مذہب بالاتفاق پاک ہونے کا ہے مگر ہمارے ہاں احتیاط اس کے نجس کہنے میں ہے اور قولِ مختار کراہت کا ہے۔

الحاصل رطوبت جلد بھی پسینہ بالاتفاق پاک ہے۔ رطوبت رحم بالاتفاق ناپاک ہے اور رطوبتِ فرج مختلف فیہ ہے۔ احتیاط قول بالکراہت میں ہے۔

مسلک اہلِ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

① علامہ وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں۔ عورت کے فرج کی بھی رطوبت پاک ہے۔ (تیسر الباری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۷ حاشیہ نمبر ۳)

② کنز الحقائق ص ۱۶۔

③ نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹۔

④ عرف الجادی ص ۱۰۔

⑤ فقہ محمدیہ ج ۱ ص ۶۴۔

اعتراض نمبر ۳۱:

حنفی مذہب میں اگر کتے کو ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت اور کھال پاک ہو جاتے ہیں۔

جواب:

نواب صدیق حسن خان نے تو پوری تفصیل سے لکھا ہے کہ کتے کے گوشت، ہڈی، خون، بال، پسینہ میں سے کسی کی نجاست ثابت نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۶)

پہلا سوال تو یہ ہے کہ آپ کے مذہب میں تو بلا ذبح ہی کھال اور گوشت بلکہ سب کچھ پاک ہے۔ اس کی حدیث پیش کرو اور دوسری حدیث یہ پیش کرو کہ جب بلا ذبح پاک ہے تو بعد ذبح کیوں ناپاک ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ چیزیں دو قسم کی ہیں ایک نجس العین جیسے پاخانہ،

پیشاب خنزیر وغیرہ یہ نہ دھونے سے پاک ہوں نہ دباغت سے نہ ذبح سے۔ دوسری وہ ہیں جو خود نجس العین نہیں لیکن کسی نجس العین کے لگنے سے ناپاک ہوں جیسے کپڑے پر پاخانہ لگ جائے تو یہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اب حرام جانور کے گوشت کی مثال تو پہلی نجاست کی ہے اس لیے اگرچہ اس میں اختلاف ہے مگر اصح قول ناپاکی کا ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی فرماتے ہیں "وفی طهارة لحمد بها" (غنية المستملی ص ۱۴۵) اور کھال کی مثال دوسری قسم کی نجاست کی ہے۔ یہ خود حالت حیات میں پاک تھی۔ ناپاک کپڑے کی طرح اس میں نجس رطوبات سرایت کر گئیں تو جب دباغت سے وہ نجس رطوبات زائل ہو گئیں تو کھال صاف ہو گئی۔ ایما اهاب دبغ فقد طهر الحدیث اور جو چیز دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ زکوۃ سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ الا ما ذکیتم اسی لیے شارح منیہ فرماتے ہیں "فی الحاصل فی طهارة جلد ما لایوکل بالذکاة اختلافا والاصح الطهارة" (غنية المستملی ص ۱۴۵)

باقی رہی گوشت کی بات تو احناف کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ صحیح قول جس پر ہمارا فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ گوشت پاک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۶ میں ہے۔ وصحیح فی الاسرار والکفایة والتبیین نجاسة۔ صاحب اسرار و صاحب کفایہ اور صاحب تبیین نے (مذکورہ گوشت) کی نجاست کو صحیح قرار دیا ہے۔

اگر ان مسائل کے خلاف غیر مقلد کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کریں تو ہم ضد نہیں کریں گے مگر یہ ان کے بس کی بات نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۲:

حنفی مذہب میں ہے کہ اجرت دے کر زنا کرنے پر حد نہیں۔

جواب:

غیر مقلد نے اس عبارت میں کئی بے ایمانیاں کی ہیں۔

① ... حد نہ ہونے کا مطلب یہ بتایا کہ جائز ہے کوئی گناہ یا سزا نہیں۔

② ...ہم نے مطالبہ کیا کہ صریح آیت یا صریح غیر معارض ایک ہی حدیث پیش کرو جس میں یہ ہو کہ اجرت لے کر زنا پر حد ہے مگر وہ بالکل پیش نہ کر سکے۔

③ ...قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن" ان عورتوں سے جتنا نفع تم نے اٹھایا ہے ان کی اجرت ان کو دے دو یہاں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مہر کو اجرت قرار دیا۔ مہر اور اجرت آپ میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اس لیے اس آیت سے لفظ اجرت میں مہر کا شبہ پیدا ہو گیا۔ اور حدیث کے موافق شبہ سے حد ساقط ہو گئی اس کو قرآن و حدیث پر عمل کہتے ہیں تم نے نہ قرآن کو مانا اور نہ حدیث کو۔ عالمگیری میں صراحت ہے کہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے۔

(عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۹)

④ ...لیکن حد ساقط ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو بدکاری کی چھٹی دی جائے گی اور اس پر کوئی سزا نہ دی جائے گی بلکہ "ویوجعان عقوبة ویحبسان حتی یتوبا" (عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۹) ان کو ایسی دکھ کی مار دی جائے گی کہ دوسروں کو عبرت ہو اور اس مار کے بعد ان کو قید کر دیا جائے گا۔ جب تک ان کی توبہ کا یقین نہ ہو۔ کیا کسی لامذہب میں یہ جرأت ہے کہ وہ اپنی کسی معتبر کتاب میں متعہ کی یہ سزا دکھائے۔ آپ کے ہاں تو انکار بھی جائز نہیں۔

اور پھر اس لامذہب نے یہ بھی نہ بتایا کہ یہ مسئلہ فقہ کا متفق علیہ نہیں بلکہ خود امام صاحب سے ایک قول حد کے واجب ہونے کا ہے۔ "والحق وجوب الحد کالمستاجرة للعذمة فتح درمختار ج ۳ ص ۱۵۷، ای کما هو قولهما" (رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۷) امام صاحب بھی ایک قول میں صاحبین کی طرح فرماتے ہیں حق یہی ہے کہ حد واجب ہے۔ الحاصل ہمارے مذہب میں یہ فعل زنا ہی ہے اور گناہ کبیرہ ہے اختلاف صرف

اس میں ہے کہ زنا موجب حد ہے یا شبہ کی وجہ سے موجب تعزیر۔ امام صاحب سے دونوں اقوال موجود ہیں جب کہ لا مذہبوں کے ہاں نہ زنا نہ گناہ۔ نہ تعزیر نہ انکار۔

اعتراض نمبر ۳۳:

حنفی مذہب میں ماں بیٹی اور دیگر محرمات سے اگر نکاح کر کے وطی کرے تو اس پر حد نہیں۔

جواب:

۱...... یہ محض جھوٹ ہے ہماری فقہ کی کتابوں میں صراحت ہے کہ ماں، بہن، بیٹی وغیرہ محرمات ابدیہ ہیں ان سے ہرگز نکاح جائز نہیں۔ (ہدایہ وغیرہ)

۲...... ان سے نکاح کرنا تو کجا اگر کوئی شخص صرف یہ کہے کہ ماں بیٹی سے نکاح جائز ہے وہ کافر ہے، مرتد ہے، واجب القتل ہے۔ (فتح القدیر ج۵ ص۴۲)

۳...... فقہ میں تو صاف لکھا ہے کہ ایسے شخص کو عبرت ناک سزا دی جائے۔

(عالمگیری ص۱۴۸)

۴...... ہدایہ ج۲ ص۵۱۶ میں ہے ایسے شخص پر سزا واجب ہے اور وہ تعزیر ہے۔

۵...... فتح القدیر شرح ہدایہ ج۵ ص۴۰ میں ہے "**ویعاقب عقوبة هی اشد ما یکون من التعزیر سیاسة لا حدا**"

۶...... درمختار ج۳ ص۱۷۹ میں ہے۔ یہ تعزیر قتل تک بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے کوئی مرد ایسی عورت کے ساتھ پایا گیا جو اس کے لیے حلال نہیں تھی۔

اس لیے یہ جھوٹ ہے کہ فقہ حنفی میں اس جرم کی سزا نہیں ہے۔

۷...... پھر کہنے لگے ہاں فقہ کے اعتبار سے نکاح تو جائز نہیں سزا بھی ہے مگر فقہ نے اس کو گناہ نہیں کہا۔ بلکہ یہ زنا سے بڑا گناہ ہے۔ (طحاوی ج۲ ص۹۶)

اب ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ گناہ نہیں تو یہ سزائے قتل کس نیکی کی ہے؟ اور فقہ میں صاف صاف تصریح ہے **انہ ارتکب جریمة**۔ (ہدایہ ج۱ ص۵۱۶) یعنی اس

نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اتنے جھوٹ بولنے کے بعد آخر کہا کہ فقہ میں لکھا ہے کہ "حد نہیں"۔

۸...... احناف نے کہا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "**البینة علی المدعی**" دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے آپ حد کے مدعی ہیں۔ ہم حد کا انکار کرتے ہیں آپ کا فرض ہے کہ ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ جو شخص محرماتِ ابدیہ سے نکاح کر کے صحبت کرلے اگر وہ کنوارہ ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اگر شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے۔ ہم بغیر کسی ضد کے مان لیں گے کہ فقہ کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن وہ کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے نہ کر سکیں گے۔

۹...... آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کسی نے ماں سے نکاح کیا آپ ﷺ نے اس کو قتل کر کے اس کا مال لوٹ لینے کا حکم دیا۔ (رواہ الخمسہ) ہاں ترمذی، ابن ماجہ میں اخذ مال کا ذکر نہیں۔ (**منتقی الاخبار**) ظاہر ہے کہ یہ زنا کی حد نہیں، نہ کوڑے نہ سنگسار اس فعل کی تعزیر ہے۔

۱۰...... ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو محرمات میں سے کسی سے صحبت کرے اس کو قتل کر دو۔ (ابن ماجہ) اب یہ بھی پمفلٹ شائع کرو کہ حضور ﷺ نے حد کیوں نہ بتائی۔ نہ لگائی تعزیر کیوں بتائی اور لگوائی۔ افسوس عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ اور احادیث کا انکار۔

۱۱...... لا مذہب غیر مقلدین کے پاس سوائے قیاس کے اس مسئلہ میں کچھ نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب یہ نکاح باطل ہے تو کالعدم ہے اس پر وہ کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح باطل بھی شبہ بن جاتا ہے اگر قیاس تو نہیں مانتا لیکن حدیث میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے ایک عورت سے اس کی عدت میں نکاح کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری نہ فرمائی بلکہ تعزیر لگوائی۔ (ابن ابی شیبہ) ظاہر ہے یہ نکاح شرعی نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں حد ساقط کر دی اور تعزیر لگائی۔ اجماع صحابہ سے ثابت ہوا کہ نکاح حرام بھی شبہ بن جاتا ہے۔ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ حافظ صاحب اس کو حدیث پر عمل کرنا کہتے ہیں۔ اور یہ ہے احادیث کا فہم آپ کا عمل بالحدیث کا دعویٰ ایسا ہی باطل ہے جیسے منکرین

حدیث کا عمل بالقرآن کا دعویٰ باطل ہے۔

۱۲...... حافظ صاحب اس اعتراض کے جواب میں مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی نے مستقل رسالہ لکھا ہے "**القول الجازم فی سقوطه الحد من نکاح المحارم**"، جس کے جواب سے آج تک تمہاری جماعت عاجز ہے۔ اور تمہارے بڑے بڑے علماء نذیر حسین دہلوی، صدیق حسن بھوپالی، وحید الزمان، شمس الحق عظیم آبادی، عبدالرحمٰن مبارک پوری، ثناء اللہ امرتسری، عبداللہ روپڑی اس قرض کو سر پر لے کر فوت ہو گئے ہیں۔

۱۳...... حافظ صاحب آپ کے مذہب کے موافق کسی لڑکے نے اپنی بہن سے نکاح کیا اور صحبت کی آپ کوڑے لگا کر چھوڑ دیں گے۔ وہ پھر دوسری بہنوں سے پھر ماں سے پھر پھوپھی سے پھر خالہ سے باری باری نکاح کرتا رہے گا اور کوڑے کھاتا رہے گا اس کے برعکس حنفی قاضی اسے پہلی مرتبہ قتل کروا دے گا تعزیراً تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ تو بتایئے سزا ہماری سخت ہوئی یا آپ کی۔ معاشرہ ہماری سزا سے، گندگی سے بچے گا یا آپ کی سزا سے دیکھا فقہ پر اعتراض کرنے کے لیے کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں، کتنی خیانتیں کرنی پڑتی ہیں، کتنی حدیثوں کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

اعتراض نمبر ۳۴:

حنفیوں کے نزدیک قرآن دیکھ کر نماز میں پڑھنا جائز نہیں اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر نماز میں عورت کی شرم گاہ کو دیکھتے رہنا جائز ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ساری فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

جواب:

اس اعتراض میں دو مسئلے ذکر کیے گئے ہیں۔ ہم دونوں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں تاکہ مسئلہ آسانی سے سمجھ آجائے۔

پہلا مسئلہ:

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا ہمارے ہاں نماز میں قرأۃ یعنی قرآن پڑھنا تو فرض ہے اگر مقدارِ فرض قرأت بھی نہ پڑھی تو نماز باطل ہے ہاں قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھنے میں اس کا اٹھانا۔ اس کے اوراق کو الٹ پلٹ کرنا۔ مستقل اسی پر نظر جمائے رکھنا ایسے افعال ہیں جو نماز سے تعلق نہیں رکھتے اور نہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں پھر قرآن سے تعلیم حاصل کرنا یہ بھی تعلیم و تعلم ہوا قرأت تو نہ ہوئی یہ سب باتیں عمل کثیر ہیں اور ایسا عمل کثیر جو افعالِ نماز سے تعلق رکھتا ہو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (ہدایہ عالمگیری) تاہم ہمیں کوئی ضد نہیں اگر آپ کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث سے ثابت کردیں کہ قرآن اٹھانے۔ ورق الٹنے۔ اس سے تعلیم حاصل کرنے سے عمل کثیر نہیں بنتا اور نماز فاسد نہیں ہوتی تو ہم تسلیم کرلیں گے کہ ہمارا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن حدیث کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کرنے والے آج تک ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی قیامت تک کر سکیں گے ان شاء اللہ العزیز۔

امام ترمذی نے حضرت رفاع بن رافع اور ابوداؤد و نسائی نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث روایت کی ہے ایک شخص کو اتنا قرآن بھی یاد نہ تھا جتنا نماز میں فرض ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم قرآن کی بجائے حمد و ثنا پڑھ لیا کرو۔ ظاہر ہے کہ قرأت نماز میں فرض ہے۔ اس شخص کو اتنا قرآن زبانی یاد نہ تھا اگر دیکھ کر پڑھنے سے نماز جائز ہوتی تو آپ ﷺ اس سے پوچھتے کہ دیکھ کر پڑھ سکتے ہو یا نہیں اور دیکھ کر اتنا پڑھ لینا حفظ سے آسان ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر پڑھنے کی اجازت نہیں دی جس سے معلوم ہوا کہ دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں "نهانا امير المؤمنين عمر ان نؤم الناس فی المصحف" (کنز العمال ج ۴ ص ۲۴۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم امام بن کر قرآن پاک دیکھ کر نمازیں پڑھیں تو احناف کا یہ مسئلہ حدیث رسول ﷺ، فرمانِ خلیفہ راشد اور قیاس شرعی کہ یہ عمل کثیر ہے اور عملِ کثیر مفسد نماز ہے کے مطابق ہے۔

دوسرا مسئلہ:

نماز میں عورت کو دیکھنا فقہ حنفی میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے عورت کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

۱......احادیث میں ایک اختلاف یہ ہے۔عورت نمازی کے سامنے آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔(مسلم ج ا ص ۱۹۷)

۲......حائضہ عورت سامنے آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۳......عورت آگے لیٹی بھی ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔(بخاری ج ا ص ۵۶، مسلم ج ا ص ۱۹۷)

یہ چاروں حدیثیں صحیح ہیں اور آپس میں متعارض ہیں۔علمائے احناف ان میں یہ تطبیق بیان کرتے ہیں کہ نماز نہیں ٹوٹتی البتہ نماز کا خشوع باطل ہو جاتا ہے۔(شروح حدیث)

جب احناف کے نزدیک عورت کپڑے پہن کر بھی سامنے سے گزر جائے تو نماز کا خشوع باطل ہو جاتا ہے تو پھر احناف پر یہ بہتان باندھنا کہ ان کے نزدیک نماز میں عورت کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے کب جائز ہو سکتا ہے بلکہ احناف کے نزدیک تو عورت کپڑے پہنے ہوئے بھی مرد کے دائیں بائیں جماعت میں شریک ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔"اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال اذا صلت المراة الی جانب الرجل و کان فی صلاة واحدة فسدت صلاته قال به ناخذ و هو قول ابی حنیفة و کتاب الآثار امام محمد ص ۲۷) بلکہ حنفی فقہ میں تو یہ صراحت ہے "ولو صلی الی وجه انسان یکره" (عالمگیری ج ا ص ۱۰۸) یعنی نماز میں کسی انسان مرد یا عورت کے چہرے کی طرف توجہ رکھنا بھی مکروہ ہے تو شرم گاہ کی طرف دیکھنا کیسے جائز ہے۔

ہاں ایک بات ہے اچانک نظر پڑ جانا جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں آتا ہے کہ عمرو بن سلمہ جب نماز پڑھاتے تھے ان کے چوتڑ ننگے ہوتے تھے۔عورتوں کی نماز میں نظر امام صاحب

کے چوتڑ پر پڑتی تھی۔انہوں نے نماز کے بعد کہا کہ امام صاحب کے چوتڑ تو ہم سے چھپالو۔ اب یہ حدیث میں کہیں نہیں آتا کہ ان عورتوں کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔نہ ہی محدثین اور شراح حدیث نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے کہ نماز میں شرم گاہ پر نظر پڑنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔تو وہ پیش فرمائیں کہ ہم ہرگز ضد نہیں کریں گے۔ہم تسلیم کریں گے کہ واقعی یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن نہ ایسی حدیث ابھی تک پیش کر سکے نہ ہی قیامت تک پیش کر سکیں گے۔احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ طاہرہ استراحت میں ہوتی تھیں آپ ﷺ جب سجدے میں جاتے تو ان کے پاؤں چھوڑ دیتے وہ پاؤں سمیٹ لیتیں۔ظاہر ہے کہ جب ہاتھ لگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو نظر پڑنا تو اس سے بھی تھوڑا عمل ہے یاد رکھیں نماز کا نہ ٹوٹنا اور بات ہے دیکھیے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی نماز کتے، گدھے، عورت اور دوسرے جانوروں کی وجہ سے نہیں ٹوٹتی۔(طحاوی) اب کتے کے سامنے سے گذرنے سے نماز نہ ٹوٹنا اور بات ہے اس سے یہ مسئلہ نکالنا کہ نمازی از خود کتے کو آگے باندھ کر نماز پڑھے تو جائز ہے۔یہ اور بات ہے۔نمازی کے سامنے سے عورت کا گزر جانا اور اس سے نماز نہ ٹوٹنا اور از خود عورت کو سامنے بٹھانا اور لٹانا لینا اور نماز میں اس کو دیکھتے رہنا یہ اور بات ہے۔بہرحال نماز نہ ٹوٹنے سے اس فعل کا اختیار و ارادہ سے جائز سمجھنا بالکل غلط ہے اب دیکھئے قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے کی حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی مگر نماز پڑھتے ہوئے بیوی کے پاؤں کو چھو دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

اعتراض نمبر ۳۵:

حنفیوں کے نزدیک نجاست چاٹنا جائز ہے:

جواب:

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے نجاست کا چاٹنا تو کجا جس پانی وغیرہ میں نجاست تھوڑی سی پڑ

جائے کہ نجاست کا رنگ نہ بو، نہ مزہ کچھ بھی ظاہر نہ ہو پھر بھی اس پانی کا پینا حرام ہے۔ اس میں احناف کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ ایسے ناپاک پانی کا استعمال جس کے تینوں وصف یعنی مزہ، اور بو اور رنگ نجاست کی وجہ سے بدل گئے ہوں۔ کسی طرح درست نہیں نہ جانوروں کو پلانا درست ہے نہ مٹی وغیرہ میں ڈال کر گارا بنانا جائز ہے۔ (بہشتی گوہر ج ۱۱ ص ۵ بحوالہ در مختار ج ۱ ص ۲۰۷) تو جب نجس پانی جانور کو پلانا ہمارے مذہب میں جائز نہیں تو انسان کو چاٹنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

چنانچہ بہشتی زیور میں صاف لکھا ہے کہ نجاست چاٹنا منع ہے۔ (بہشتی زیور ج ۲ ص ۵)
دراصل اختلاف بعض چیزوں کے پاک ناپاک ہونے میں ہے ان مسائل کی تفصیل یہ لوگ بیان نہیں کرتے اور غلط نتائج نکالتے ہیں۔

ا۔ مثلاً بعض جاہل عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کپڑا سی رہی تھیں انگلی میں سوئی لگ گئی اور تھوڑا سا خون نکل آیا۔ وہ بجائے اس پر پانی ڈالنے کے اس کو دو تین مرتبہ چاٹ کر تھوک دیتی ہیں۔ اب اس کا مسئلہ بتانا تو فقہ یہ کہتی ہے کہ اس نے جو چاٹا یہ گناہ ہے اور پہلی دفعہ چاٹنے سے منہ بھی ناپاک ہوگیا مگر بار بار تھوکنے سے جب خون کا کوئی نشان باقی نہ رہا تو انگلی اور منہ پاک سمجھے جائیں گے اس مسئلے کے خلاف اگر وہ صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر دیں تو ہم ان کی علمی قابلیت مان لیں گے یعنی فقہ کہتی ہے کہ چاٹنا منع ہے وہ حدیث سنائے کہ چاٹنا جائز ہے۔ فقہ کہتی ہے کہ خون کا نشان نہ رہے تو جگہ پاک ہے وہ حدیث دکھائیں کہ خون کا نشان مٹ جانے کے بعد بھی جگہ ناپاک ہے لیکن ان کا مسئلہ تو یہ ہے کہ خون پاک ہے انگلی کو لگا انگلی بھی پاک رہی منہ کو لگا منہ بھی پاک رہا۔

ایک اہل سنت والجماعت اور ایک غیر مقلد دونوں گنا چوستے جا رہے تھے دونوں کے منہ سے خون نکل آیا۔ حنفی گنا چھوڑ کر تھوکنے لگا، پانی وغیرہ پاس نہ تھا۔ غیر مقلد نے پوچھا کیا بات اس نے کہا بھئی خون نکل آیا جس کی وجہ سے منہ ناپاک ہوگیا ہے اس نے کہا ہمارے مذہب میں تو خون پاک ہے تھوکا دونوں نے حنفی ناپاک سمجھ کر تھوکتا رہا غیر مقلد پاک سمجھ کر۔

جب نشان مٹ گیا تو حنفی نے گنا چوسنا شروع کر دیا کیونکہ چاٹنے اور تھوکنے سے منہ پاک ہوگیا تھا۔ غیر مقلد سے کہا یہ مسئلہ غلط ہے تو حنفی نے کہا اس کے خلاف حدیث سنا دو۔

ایک حنفی اور غیر مقلد سفر میں تھے دونوں کے پاک ایک ایک چھوٹی بالٹی پانی کی تھی۔ آگے ایک شرابی ملا جس کے ہونٹوں کو شراب لگی ہوئی تھی۔ یہ شراب حنفی کے نزدیک پیشاب کی طرح نجس تھی اور غیر مقلد کے نزدیک پاک تھی۔ اب اختلاف یہ ہوا کہ وہ اگر مٹکے کو منہ لگا کر پانی پیئے تو باقی پانی نجس ہے اور غیر مقلد کے نزدیک باقی بچا ہوا پانی پاک ہے اب وہ شرابی اگر شراب ہونٹوں سے چاٹ چاٹ کر تھوکنا شروع کر دے تو حنفی مذہب میں یہ چاٹنا گناہ ہے اور غیر مقلد کے ہاں چاٹنا گناہ نہیں کیونکہ وہ پاک چیز چاٹ رہا ہے ہاں اگر چاٹنے سے شراب کا اثر بالکل زائل ہو جائے تو حنفی کے نزدیک اب اس کا منہ پاک ہوگیا ہے اور غیر مقلد کے نزدیک تو پہلے شراب آلودہ بھی پاک ہی تھا۔

ایک بلی نے چوہے کا شکار کیا اور اس کے منہ کو لگا ہوا ہے اب غیر مقلدوں کے مذہب میں چونکہ خون پاک ہے اس لیے اس کا خون آلودہ منہ بھی پاک ہے اس بلی نے غیر مقلد کے مٹکے میں منہ ڈال دیا تو اس کے نزدیک وہ پانی پاک ہے مگر حنفی فقہ کی رو سے وہ پانی ناپاک ہے اب وہ بلی بیٹھی اپنا منہ چاٹ چاٹ کر صاف کرتی رہی جب خون کا اثر بالکل ختم ہوگیا تو اب اس کا جھوٹا نجس نہیں مکروہ ہوگیا کیونکہ اس نے چاٹ کر اپنا منہ صاف کر لیا ہے۔

بہرحال حنفی فقہ میں نجاست کا چاٹنا ہرگز جائز نہیں ہاں بعض چیزیں ہمارے مذہب میں نجس ہیں جیسے شراب، خون، قے لیکن غیر مقلدوں کے ہاں پاک ہیں اس لیے ہمارے فقہاء نے یہ فرق بتایا ہے کہ جب منہ آلودہ ہو تو نجس ہے اور اگر پانی نہیں ملا اور قے والے نے دو تین مرتبہ ہونٹ چاٹ کر تھوک دیا یا شراب والے نے دو تین مرتبہ چاٹ کر تھوک دیا یا جس کے دانتوں سے خون نکلا تھا اس نے چاٹ کر تھوک دیا تو چاٹنا تو منع تھا اس کا گناہ الگ رہا البتہ خون، قے، یا شراب کا اثر ختم ہونے سے منہ کی پاکی کا حکم ہوگا اس کے برعکس غیر مقلدوں کے ہاں جب خون، قے، شراب منہ کو لگی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی منہ پاک تھا۔

جب چاٹتا تو بھی پاک چیزوں کو چاٹتا۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو غلط انداز میں بیان کر کے کہا
جاتا ہے کہ ان کے ہاں نجاست چاٹنا جائز ہے جو بالکل جھوٹ ہے۔

اعتراض نمبر ۳۶:

درمختار میں ہے لَا حَرَمَ لِلْمَدِيْنَةِ عِنْدَنَا حالانکہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
ارشاد فرمایا کہ میں نے مدینہ کو حرم بنایا۔

جواب:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ احناف مدینہ شریف کے حرم ہونے کی مطلقاً نفی نہیں
کرتے بلکہ ان کے نزدیک حرم مدینہ شریف کا وہ حکم نہیں ہے جو حرم مکہ شریف کا حکم ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا۔ اس حرمت سے
مراد تعظیم وتکریم ہے کہ میں مدینہ شریف کو عظمت وشرافت بخشی ہے۔ مدینہ شریف حرمت
کے اس معنی کے لحاظ سے حرم ہے مگر جو حرم مکہ شریف کے احکام ہیں کہ وہاں شکار کی ممانعت
ہے اور درخت کاٹنے منع ہیں اور جو ایسا کرے اس پر جزا لازم آتی ہے ایسے احکام کے لحاظ
سے مدینہ شریف حرم نہیں ہے۔ احناف کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَاَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا بَنِیْ
نَجَّارٍ ثَامِنُوْنِیْ فَقَالُوْا لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهٗ اِلَّا اِلَی اللّٰهِ فَاَمَرَ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِيْنَ فَنُبِشَتْ
ثُمَّ بِالْخَرَبِ فَسُوِّيَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ۔
(بخاری ج ا ص ۲۵۱، نور محمد اصح المطابع)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے اور مسجد
بنانے کا حکم فرمایا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنی نجار! میرے ساتھ بیع کرو۔ پس انہوں
نے جواب دیا کہ ہم اس کا عوض اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔ پھر سید عالم ﷺ نے مشرکین کی
قبور کے بارے میں حکم فرمایا پس انہیں اکھاڑ دیا گیا۔ پھر آپ نے خراب زمین کو ہموار

کرنے کا حکم فرمایا پس اسے ہموار کر دیا گیا اور آپ نے کھجور کے درختوں کے بارے میں حکم
فرمایا۔ پس انہیں کاٹا گیا اور مسجد کی جانب قبلہ میں جمع کر دیا گیا۔
اس حدیث شریف سے مدینہ شریف کی کھجوروں کا کاٹا جانا ثابت ہے۔ اگر مدینہ شریف
مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو اس کی کھجوریں نہ کاٹی جاتیں۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے جنہیں ابوعمیر کہا جاتا
تھا۔ ان کے پاس ایک بلبل تھا۔

فَكَانَ اِذَا جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَرَاٰهُ قَالَ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ۔
(بخاری ج ۲ ص ۹۱۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

جب وہ ابوعمیر سید عالم ﷺ کے پاس آتے آپ انہیں دیکھتے تو فرماتے اے ابوعمیر!
چھوٹے بلبل کا کیا حال ہے۔
اگر مدینہ شریف، مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو اس کا پرندہ پکڑ کر بند رکھنے کی اجازت ابوعمیر کو
نہ دی جاتی۔

۳۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طرق کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے مدینہ
شریف میں شکار کرنے والی حدیث روایت کی ہے۔ جیسا کہ (عمدۃ القاری، شرح بخاری
ج ۱۰ ص ۲۳۰) میں ہے۔
"اگر مدینہ شریف کا مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور حضرت سلمہ کو منع
فرماتے کیونکہ حضرت سلمہ شکار کے احوال سید عالم ﷺ سے آکر ذکر کرتے تھے۔"

۴۔ مسلم شریف میں حضرت عامر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے
مدینہ شریف کے بارے میں ارشاد فرمایا:
لَا تُخْبَطُ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلْفٍ (مشکوٰۃ ۲۳۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)
کہ مدینہ شریف میں کوئی درخت نہ کاٹا جائے مگر چارے کے لیے۔
اگر مدینہ شریف حرم مکہ شریف جیسا ہوتا تو کسی حال میں بھی اس کا درخت کاٹنا جائز نہ

ہوتا۔ خواہ چارے کے لیے ہو خواہ اس سے علاوہ ہو۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ شریف کی جو حرمت بیان کی ہے، وہ تعظیم و تکریم کے لحاظ سے ہے نہ کہ حرم کے باقی احکام کے لحاظ سے۔ چنانچہ احناف جو کہتے ہیں کہ "لَا حَرَمَ لِلْمَدِیْنَةِ عِنْدَنَا" یہ حدیث شریف کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں جس لحاظ سے مدینہ شریف کو حرم قرار دیا گیا ہے۔ "لَا حَرَمَ لِلْمَدِیْنَةِ عِنْدَنَا" میں اس لحاظ سے مدینہ شریف کے حرم ہونے کی نفی نہیں کی گئی۔ بلکہ تعظیم و تکریم کے لحاظ سے احناف بھی مدینہ شریف کو حرم مانتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ تورپشتی کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت کم لوگ مدینہ شریف میں شکار کو حرام سمجھتے ہیں اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم طیور مدینہ شریف کے شکار پر انکار نہیں کرتے تھے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۴۱۲، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)

اعتراض نمبر ۷۳:

ہدایہ میں ہے کہ نکاح شغار جائز ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

۱۔ لَا شِغَارَ فِی الْاِسْلَامِ۔

۲۔ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ۔

جواب:

جواب سے پہلے تمہیداً شغار کا لغوی اور اصطلاحی معنی سمجھنا چاہیے۔ لغوی طور پر شغار مبادلہ اور خالی ہونے کو کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "بَلْدَةٌ شَاغِرَةٌ" یعنی خالی شہر۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۲۱۹)

اصطلاحی طور پر شغار ایک نکاح کا نام ہے جو کہ عہد جاہلیت میں پایا جاتا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ تم اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح میرے ساتھ کرو میں اپنی

بیٹی یا بہن کا نکاح تمہارے ساتھ کروں گا۔ اس شرط پر کہ ان میں سے ہر ایک کا مہر دوسرے کی بضع ہے۔ (صحاح ج ۲ ص ۷۰۰) چونکہ ایسے نکاح کو مہر سے خالی کر دیا جاتا ہے اس لیے اس نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی حدیث شریف میں نفی کی گئی ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے، احناف اسے ثابت نہیں کرتے اور جسے احناف ثابت کرتے ہیں اس کی حدیث شریف میں نفی نہیں ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ "نکاح فاسد" شروط سے باطل نہیں ہوتا اور "مہر" نکاح میں شرط ہے۔ اس کے فساد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ جیسے دیکھیے اگر کوئی نکاح کرتا ہے اور حق مہر میں وہ مال رکھتا ہے جو مسلمان کے لیے مالِ متقوم نہیں ہے مثلاً خون تو اس صورت میں نکاح کی شرط فاسد ہے مگر نکاح بالاتفاق صحیح ہے۔ یہ تو تھا کہ مہر مال غیر متقوم کو بنایا گیا ہے بلکہ نکاح تو تب بھی فاسد نہیں ہوتا جب سرے سے مہر معین ہی نہ کیا جائے اور ان صورتوں میں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ ایسے ہی نکاح شغار میں ایک ایسی چیز کو مہر بنایا گیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ جیسا کہ خون صلاحیت نہیں رکھتا تو نکاح ہو جائے گا اور مہر مثلی لازم آئے گا۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں جس کی نفی ہے وہ شغار ہے اور یہ بات شغار کے مفہوم میں داخل ہے کہ در حقیقی مہر سے خالی ہوتا ہے اور بضع کو ہی حق مہر بنایا جاتا ہے۔

احناف اس صورت مسئلہ کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک نہ یہ ہے کہ حق مہر سے خلو ہوا اور نہ ہی یہ کہ بضع کو مہر بنایا جائے۔ بلکہ ہم تو اس صورت میں مہر مثلی واجب کر کے نکاح کو مہر سے خالی رہنے دیتے ہیں۔ اور نہ ہی بضع کو مہر بناتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں جس کی نفی ہے ہم نے اس کا اثبات نہیں کیا بلکہ ہم نے بھی اس کی نفی کی ہے کہ بضع کو مہر نہیں بننے دیا۔

اصل حدیث شریف میں اس ہیئت کی نفی ہے جو جاہلیت میں تھی کہ جانبین سے بضع ہی کو

مہر سمجھا جاتا تھا اور کسی مال کو حق مہر نہ بنایا جاتا۔ ہم نے جب مہر مثلی واجب کیا تو اس سے نکاح مہر سے خالی نہیں رہا اور مہر بھی وہ چیز بنی جو مال متقوم ہے اور اس میں مہر بننے کی صلاحیت ہے۔

مزید برآں یہ بات واضح رہے کہ:

''کسی حدیث میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ نکاحِ شغار بالکل باطل ہے اور غیر صحیح ہے کہ اس پر کوئی حکم شرعی مرتب نہیں ہوتا اور مہر لازم نہیں آتا۔''

بلکہ حدیث شریف سے نکاحِ شغار کا ممنوع ہونا ثابت ہے اور یہ نکاح کرنے والے کا گناہ گار ہونا ثابت ہے اس کے احناف بھی قائل ہیں۔

اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو فعل بھی شرعاً ممنوع ہو، وہ بالکل باطل ہو اور اس پر کوئی حکم مرتب نہ ہو۔ دیکھئے جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت ہے لیکن اگر کسی نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا وہ گناہ گار تو ہوگا مگر یہ معاملہ کلیۃً باطل نہیں ہوگا۔ عقد بیع منعقد ہو جائے گا مبیع پر مشتری کا ملک ثابت ہو جائے گا۔ اس عقد پر بیع وشرا کے احکام مرتب ہوں گے۔

ایسے ہی نکاح شغار میں فعل اگرچہ ممنوع ہے کرنے والے گناہ گار بھی ہوں گے مگر جہاں تک نفس عقد کا تعلق ہے وہ ثابت ہو جائے گا۔ باطل نہیں ہوگا۔ اس پر شرعی احکام مرتب ہوں گے۔ نکاح صحیح ثابت ہوگا اور مہر مثلی واجب ہو جائے گا۔

اعتراض نمبر ۳۸:

چار فرائض کی آخری دو رکعتوں کے بارے میں ہدایہ میں لکھا ہے:

اِنْ شَاءَ سَكَتَ وَاِنْ شَاءَ قَرَءَ وَاِنْ شَاءَ سَبَّحَ۔

''اگر چاہے تو نمازی ان میں خاموش ہو جائے اگر چاہے تو قرات کرے اور اگر چاہے تو تسبیح کرے۔''

حالانکہ حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ہے:

''كَانَ يَقْرَءُ فِي الظُّهْرِ فِي الْاُوْلَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُخْرَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ۔'' (بخاری ومسلم)

''آپ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ساتھ کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔''

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور ساتھ کوئی سورت اور آخری دونوں رکعتوں میں فاتحہ پڑھتا ہوں۔ (عبدالرزاق)

جواب:

چار رکعت فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں اگرچہ سید عالم ﷺ سے سورہ فاتحہ ثابت ہے مگر اس کی حیثیت وہ نہیں ہے جو کہ پہلی دو رکعتوں میں ہے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''يَقْرَءُ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَيُسَبِّحُ فِي الْاُخْرَيَيْنِ''

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۷۲، مطبع عزیزیہ حیدر آباد ہند)

''پہلی دو رکعتوں میں قرات کی جائے اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح کی جائے۔''

ایسے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے:

''قَالَا اِقْرَءْ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَسَبِّحْ فِي الْاُخْرَيَيْنِ''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۲)

''ان دونوں حضرات نے فرمایا پہلی دو رکعتوں میں قرات کرو اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھو۔''

مصنف ابن ابی شیبہ میں تو پورا ایک باب ''بَابُ مَنْ كَانَ يَقُوْلُ يُسَبِّحُ فِي الْاُخْرَيَيْنِ وَلَا يَقْرَءُ'' اس بارے میں ہے، جس میں ایسے آثار کو مع الاسناد جمع کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر

کسی کو اعتراض ہے تو یہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما پر اعتراض ہوگا۔ فقہ حنفی پر نہیں۔ اور ان حضرات پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ سید عالم ﷺ کے افعال کو قریب سے دیکھنے والے اور محفوظ کرنے والے اور ان پر عمل پیرا ہونے والے تھے۔

باقی جہاں تک مذہب حنفی ہے، اس میں احادیث اور تمام آثار کا لحاظ رکھتے ہوئے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھنے کو سنت قرار دیا گیا ہے اور اس کے سنت ہونے کو صحیح قرار دیا اور یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ جس طرح کہ **طحطاوی علی مراقی الفلاح** ص ۱۴۷ میں ہے۔

اور فقہ حنفی کا یہ اصول ہے جب ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں تعارض آجائے تو ترجیح ظاہر الروایۃ کے مسئلہ کو ہوتی ہے۔ لہٰذا فقہ حنفی میں بھی ترجیح آخری دو رکعت میں فاتحہ کے سنت ہونے کو ہے اور ہدایہ کی عبارت جو کہ غیر ظاہر الروایۃ ہے اس کی وجہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال ہیں۔

اعتراض نمبر ۳۹:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ۔ (مسلم)

"رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے رمضان شریف کے روزے رکھے ان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے اس کا یہ عمل صیام دہر کی طرح ہے۔"

اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ ہے کہ شوال کے چھ روزے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہیں خواہ متفرق رکھے یا مسلسل رکھے۔

جواب:

مذہب حنفی میں شوال کے چھ روزے مکروہ نہیں ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری ہی میں کراہت والے قول کے بعد لکھا ہے:

"وَالْاَصَحُّ اَنَّہٗ لَا بَاْسَ بِہٖ کَذَا فِیْ مُحِیْطِ السَّرْخَسِیْ۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۱، نورانی کتب خانہ پشاور)

"اصح یہ ہے کہ ان روزوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

کراہت کی وجہ یہ ہے کہ کہیں لوگ انہیں کثرت مداومت کی وجہ سے رمضان کے روزوں کے ساتھ لازم نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ عوام جو یہ روزے رکھتے ہیں بعض عید الفطر کو کہنا شروع کر دیتے ہیں ہماری آج عید نہیں ہماری عید ابھی مزید چھ روزوں کے بعد ہے۔ اگر اس اعتقاد کا خطرہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی ان میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان میں حدیث وارد ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۹۳)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ان روزوں کے بارے میں یہی موقف ہے۔

(نووی، شرح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹)

اعتراض نمبر ۴۰:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَعَ الْغُلَامِ عَقِیْقَۃٌ فَاَھْرِیْقُوْا عَنْہُ دَمًا وَاَمِیْطُوْا عَنْہُ الْاَذٰی (بخاری)

"رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے الائش دور کرو۔"

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْغُلَامُ مُرْتَھَنٌ عَقِیْقَتِہٖ یُذْبَحُ عَنْہُ یَوْمَ السَّابِعِ وَیُسَمّٰی وَیُحْلَقُ رَاْسُہٗ (ترمذی)

"کہ بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ رہن گیا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کا حلق کیا جائے۔"

اُدھر احناف کی عقیقے کے بارے میں رائے یہ ہے:

۱۔امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے:

"لَا یُعَقُّ عَنِ الْغُلَامِ وَلَا عَنِ الْجَارِیَةِ" (جامع صغیر ص۵۳۴)

"بچے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور نہ بچی کی طرف سے۔"

۲۔علامہ کاسانی کہتے ہیں:

"امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔"

اس عبارت میں عقیقہ کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عقیقہ کرنے میں فضیلت تھی اور جب فضیلت منسوخ ہوگئی تو اس کا مکروہ ہونا باقی رہ گیا۔(بدائع)

۳۔فتاویٰ عالمگیری میں بھی اپنے مذہب کے مختلف اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ سنت نہیں۔

جواب:

۱۔جامع صغیر میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؒ سے عقیقہ نہ کرنے کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے اس سے مراد عہد جاہلیت کا عقیقہ ہے کہ اس طرح عقیقہ نہ کیا جائے۔یک گونہ عقیقہ واقعی طور پر عہد جاہلیت میں بھی تھا۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو بریدہ ؓ سے عہد جاہلیت کے عقیقے اور اسلامی عقیقے کے درمیان فرق مروی ہے۔وہ کہتے ہیں:

"کُنَّا فِی الْجَاهِلِیَّةِ إِذَا وُلِدَ لِأَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً وَنَحْلِقُ رَأْسَهُ وَنَلْطَخُهُ بِزَعْفَرَانَ"

(سنن ابی داؤد ج۲ ص۳۷)

"زمانہ جاہلیت میں جب ہم میں سے کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور بچے کے سر پر بکری کا خون بھی لگا دیتا۔پس جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام عطا فرمایا تو ہم بکری ذبح کرتے اور بچے کے سر کا حلق کرتے اور اس کے سر پر زعفران لگا دیتے۔"

حضرت امام اعظم ؒ نے جو لایعق فرمایا ہے اس سے مراد زمانہ جاہلیت کا عقیقہ ہے۔آپ نے اسلامی عقیقے سے منع نہیں کیا۔بیہقی میں ہے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا أُحِبُّ الْعُقُوقَ" (۹/۳۰۰) "میں عقوق کو پسند نہیں کرتا"

بیہقی کہتے ہیں گویا کہ آپ نے یہ نام مکروہ سمجھا۔امام صاحب کے نزدیک بھی کراہت سے یہی مراد ہے۔

۲۔علامہ کاسانی عقیقے کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔ان کے نزدیک عقیقہ جائز ہے اور مباح ہے۔ہاں اس کو سنت موکدہ اعتقاد کرنا ان کے نزدیک مکروہ ہے۔کیونکہ ان کے سامنے رسول اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے جس کا انہوں نے ذکر بھی کیا:

"مَنْ شَاءَ فَلْيَعُقَّ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً"

"جو چاہے لڑکے کی طرف سے دو بکریوں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کے ذبح سے عقیقہ کرے۔"

اور سنن ابی داؤد شریف میں ہے:

"فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ" (۲/۳۶،ایسے سنن بیہقی ۹/۳۰۰) میں ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے عقیقے کو والد کی مشیت پر معلق کیا ہے اور یہ تعلیق اباحت کی علامت ہے۔(بدائع الصنائع ۵/۶۹،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

علامہ کاسانی جو خود عقیقے کو مباح ثابت کررہے ہیں تو اسے مکروہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ہاں اس کے سنت موکدہ یا واجب ہونے کا اعتقاد ان کے نزدیک مکروہ ہے۔امام محمد ؒ نے جس عقیقے کو مکروہ کہا وہ بھی جاہلیت کا عقیقہ ہے۔

۳۔مذکورہ بالا احادیث جن میں والد کی مشیت پر عقیقہ معلق کیا گیا ہے کی وجہ ہی سے فتاویٰ عالمگیری میں عقیقے کو مباح اور جائز قرار دیا گیا ہے۔سنت موکدہ یا واجب قرار نہیں دیا گیا۔

عقیقے سے متعلق احادیث میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بتدریج تبدیلی ہوئی اور نسخ

رونما ہوا۔ حضرت ابو بریدہ کی روایت میں اگر چہ بچے کے سر پر خون لگانے کو عہد جاہلیت کا عمل قرار دیا گیا لیکن اسلام کے آتے ہی اسے ختم نہیں کیا گیا تھا بلکہ حدیث شریف میں ہے:

"یُذْبَحُ عَنْهُ یَوْمَ السَّابِعِ وَیُحْلَقُ رَأْسُهُ وَیُدْمٰی"

(سنن ابی داؤد ۲/ ۳۶، مطبع مجتبائی پاکستان)

"ساتویں دن بچے کی طرف سے ذبح کیا جائے اس کے سر کا حلق کیا جائے اور اس کے سر کا خون آلود کیا جائے"

پھر حکم ہوا:

"اَھْرِیْقُوْا عَنْهُ دَمًا" (سنن ابی داؤد ۲/ ۳۶، مطبع مجتبائی پاکستان)

"بچے کی طرف سے جانور ذبح کرتے ہوئے خون بہاؤ"

یہاں اس کا سر خون آلود کرنے کو ختم کر دیا گیا ہے لیکن صیغہ امر سے تاکید سمجھ آ رہی تھی۔

پھر حکم ہوا:

"مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ یَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْیَنْسُكْ"

(سنن بیہقی ۹/ ۳۰۰، دار صادر، بیروت)

"جس کے ہاں بچہ پیدا ہو پس وہ بچے کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو اسے ذبح کر لینا چاہیے۔"

تو اب وجوب والی بات بھی ختم ہو گئی اور عقیقے کی اباحت باقی رہ گئی۔

اعتراض نمبر ۱۴۱:

شرح وقایہ میں ہے "وَصَحَّ النِّکَاحُ بِخَمْرٍ وَّ خِنْزِیْرٍ" کہ شراب اور خنزیر کو حق مہر رکھ کر نکاح صحیح ہے۔

جواب:

پہلے نمبر پر یہاں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ فقہائے کرام کا اس جزئیے سے مقصد

ہر گز یہ ترغیب دینا نہیں ہے کہ شراب اور خنزیر کو حق مہر معین کر کے نکاح کیا جائے۔ بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایسی صورت پیش آ جائے تو پھر اس بارے میں یہ حکم ہے۔ اب یہ سمجھیے کہ اس نکاح کو صحیح کیوں قرار دیا گیا ہے۔

جب زوج زوجہ نے شراب یا خنزیر کو قبول کرنے کی شرط پر نکاح کیا تو انہوں نے نکاح کے لیے ایک ایسی شرط لگائی جو کہ فاسد ہے اور نکاح فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیع کی طرح نہیں ہے۔ بیع فاسد شرط کی بنا پر فاسد ہو جاتی ہے اور عقد نکاح عقد بیع کی طرح نہیں ہے۔ جبکہ نکاح میں مہر کا ذکر نہ کرنے اور اسے معین نہ کرنے سے فاسد نہیں ہوتا اور عقد بیع اور عقد نکاح میں یہ فرق اس لیے کہ بیع میں شرط فاسد کی وجہ سے سود بن جاتا ہے اور سود نص قرآنی سے حرام ہے جب کہ عقد نکاح میں سود کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا رکن نکاح میں شرط فاسد کی کوئی تاثیر نہیں ہوگی اور نکاح صحیح باقی رہے گا۔

در حقیقت فقہاء نے اس صورت میں شراب و خنزیر سے نکاح کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ مہر مثلی سے نکاح کو صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ صورت ایسی ہے کہ گویا کہ جانبین نے کوئی مہر معین کیا ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ تعیین مہر کی شرط ہے کہ وہ مسلمان کے لیے مال متقوم ہو اور جب خمر و خنزیر مسلمان کے لیے مالِ متقوم ہی نہیں تو تعیین مہر کی شرط ہی نہیں پائی گئی اور مہر معین نہ ہوا اور جب نکاح کیا جائے اور اس میں مہر معین نہ کیا جائے تو وہاں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ (یعنی اس کے والد کے خاندان کی اس کی مثل عورتوں کا جتنا حق مہر ہوتا ہے) لہٰذا خمر و خنزیر کو حق مہر بنانے کی صورت میں گویا کہ مہر معین ہی نہیں کیا گیا۔ ایسی صورت میں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ لہٰذا خمر و خنزیر والی صورت میں مہر مثلی لازم آئے گا۔ اعتراض تب تھا جب خمر و خنزیر کو حق مہر بناتے ہم انہیں مہر کیا بنائیں ہم اس صورت میں مہر کی تعیین بھی نہیں سمجھتے۔ لہٰذا یہ محض دھوکہ دہی ہے کہ احناف خمر و خنزیر کو حق مہر بنا کر نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور جب نکاح مہر کا ذکر کرنے اور تعیین کرنے کے بغیر بھی ہو جاتا ہے بلکہ مہر کی نفی کی شرط پر بھی ہو جاتا ہے کہ زوج زوجہ نکاح کریں اس شرط پر کہ زوج حق مہر نہیں دے گا تو مذکورہ صورت میں بطریق اولیٰ ہو جانا چاہیے۔

اعتراض نمبر ۴۲:

قرآن مجید میں ہے:

"اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا" "چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹو۔"

اور قدوری میں ہے:

"لَا قَطْعَ عَلٰی نَبَّاشٍ" "کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا"

جواب:

جو بھی کسی کا مال ناجائز طریقے سے لے لے، ضروری نہیں کہ اس کو سارق کہا جائے۔ جس نے امانت میں خیانت کی، اس نے بھی غیر کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے مگر اسے سارق کہا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ جو سود سے دوسرے کا مال حاصل کرے اس نے غیر کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے مگر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَیْسَ عَلٰی خَائِنٍ وَّلَا مُنْتَھِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ"

(مشکوٰۃ ص ۱۳۱، قدیمی کتب خانہ کراچی، ترمذی، نسائی)

"خیانت کرنے والے پر، لٹیرا پن سے مال لینے والے پر اور جھپٹا مار کے مال لینے والے پر قطع نہیں ہے۔"

نیز رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ مُّعَلَّقٍ وَّلَا فِیْ حَرِیْسَۃِ جَبْلٍ" (مشکوٰۃ ص ۳۱۳)

"لٹکتے پھل کی چوری پر اور پہاڑ کی محفوظ چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مطلقاً کسی کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے والا سارق نہیں ہے کہ اس پر حدِ سرقہ لگا کر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگرچہ ان صورتوں میں گناہ گار ہوگا اور اس کے لیے کوئی دوسری سزا معین کی جاسکتی ہے۔

لہٰذا احادیث و آثار کی روشنی میں ہمیں سرقہ کی ایسی تعریف کرنا پڑے گی جو جامع مانع ہو اور اس لحاظ سے جو سارق ہو اس پر حد شرعی لگائی جائے۔ تو سرقہ یہ ہے کہ کوئی عاقل بالغ آدمی دس درہم یا ان کی قیمت کو پہنچنے والی چیز کو ایسے محفوظ مقام سے چوری کرے جس میں شبہ نہ ہو۔

اب دیکھیے کفن چور کفن کی چوری کرتا ہے لیکن وہاں ملک میں شبہ ہے اس لیے کہ وہ نہ میت کا ملک حقیقی ہے اور نہ ورثاء کا اور شبہ کی بنا پر حدود اٹھ جاتی ہیں۔ نیز اہل مدینہ نباش (کفن چور) کو سارق نہیں کہتے تھے۔ بلکہ ان کی لغت میں کفن چور کر مختفی کہا جاتا تھا اور مختفی کے بارے میں سید عالم ﷺ کا فرمان ہے:

"لَا قَطْعَ عَلَی الْمُخْتَفِیْ" (نصب الرایہ ۳/۳۶۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ)

"کہ کفن چور پر قطع نہیں ہے۔"

لہٰذا مذہب حنفی قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"لَیْسَ عَلَی النَّبَّاشِ قَطْعٌ" (فتح القدیر ۵/۱۳۷، مکتبہ حقانیہ پاکستان)

"کفن چور پر قطع ید نہیں ہے۔"

اور کفن چور کا ہاتھ کاٹنے کے بارے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ حدیث منکر ہے۔ بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اس کی سند میں بشر بن حازم ہے جو کہ مجہول ہے۔

مجموعہ رسائل

حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتوب گرامی در تقلید شخصی

سبیل الرشاد

ہدایۃ المعتدی فی قراۃ المقتدی

اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری

القطوف الدانیہ فی تحقیق الجماعت الثانیہ

رد الطغیان فی اوقاف القرآن

الرای النجیح فی عدد رکعات تراویح

الحق الصریح فی اثبات التراویح

ایک اہم فتوے

ملنے کا پتہ
مکتبہ فاروقیہ
۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

در مختار پر اعتراضات کا محققانہ جواب

فقہ حنفی کی معروف کتاب

''درمختار پر اعتراضات''

کا محققانہ جواب

مکرمی جناب رانا عبدالرؤف صاحب ایڈووکیٹ!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آپ کے پیش کردہ سوالات کے بارے میں عرض ہے کہ بعض اوقات اپنی فہم کے ناقص ہونے کی وجہ سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔ اس میں کتاب یا صاحب کتاب کا قصور نہیں ہوتا جب تک کسی فن میں مہارت نہ ہو۔ اس وقت تک اس فن کی غلطی نکالنا اپنی کوتاہ فہمی پر شہادت دینا ہے، پھر جو کسی فن سے دشمنی رکھنے والا ہو اس کی نکالی ہوئی غلطی ذہنی بغض کی عکاس ہوتی ہے۔ عربی میں ایک شاعر کہتا ہے۔

عین الرضا عن کل عیب کلیلة

ولکن عین السخط تبدی المساویا

''یعنی رضامندی کی نظر ہر عیب کے ادراک سے کمزور ہوتی ہے لیکن ناراضگی کی نظر تمام برائیوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔''

لیکن یہاں معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ فقہ دشمنی کی وجہ سے نظر خوبیوں کو بھی عیب بنا رہی ہے۔ سوامی دیانند نے قرآن پاک پر ۱۵۹/ اعتراضات کیے تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری فرماتے ہیں:...... ''اس بات کا اظہار کچھ ضروری نہیں کہ سوامی جی کے سوالات عموماً غلط فہمی پر مبنی ہیں اس لیے کہ حق کو قبول کرنے سے ہمیشہ غلط فہمی ہی مانع ہوا کرتی ہے۔'' (حق پرکاش ص۲) نیز فرماتے ہیں:...... ''ہم نے اس جواب میں کسی سماجی مصنف کو مخاطب نہیں کیا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جس قدر اسلام سے دوری ہوئی ہے وہ صرف سوامی

دیانند کی غلط فہمی سے ہوئی۔'' (حق پرکاش صفحہ ۳) تو جس طرح قرآن دشمنی اور غلط فہمی نے قرآن پر اعتراضات کی راہ کھول دی ہے اگر فقہ دشمن فقہ پر اعتراضات کر دے تو کوئی عجب بات نہیں۔

اعتراض نمبر ا:

لا عند وطی بهیمة یعنی جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے سے نہ تو غسل لازم آتا ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے جب تک انزال نہ ہو۔ (تحفۃ حنفیہ ج ا ص ۴۲۵) اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے داؤد ارشد صاحب نے درمختار ج ا صفحہ ۱۶۶، بحر الرائق ج ا صفحہ ۵۹، مظاہر حق ج ا صفحہ ۱۵۰ اور حلبی کبیر صفحہ ۴۲ کا حوالہ دے کر اس کا حنفیہ کے ہاں متفق علیہ اور مفتیٰ بہ ہونا ظاہر کیا ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶) اور پھر اس کو حیا سوز کہا ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۵) نیز لکھا ہے کہ کیا خوب ہے کہ چارپائے سے بدفعلی کی کس مہذب انداز میں رخصت دی جا رہی ہے۔

(تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶)

نوٹ:

داؤد ارشد صاحب نے یہ اور اس کے بعد والے مسئلے ذکر کر کے صرف فقہ حنفی سے اظہار بغض نہیں کیا بلکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب محمدی حفظہ اللہ کے اس دعویٰ کو سچا کر دیا ہے کہ نام نہاد اہل حدیث مدینہ میں لکھی جانے والی کتاب بلکہ باشارہ نبوی لکھی جانے والی تصنیف پر اعتراض کر کے مدینہ بلکہ صاحب مدینہ ﷺ کی عظمت و شرف کے منکر ہوئے ہیں، کیونکہ ان مسائل کے آخر میں فرماتے ہیں: ''ثابت ہوا کہ یہ مدینہ میں بیٹھ کر کوک شاستری لکھی گئی جس سے اسلام کی خدمت نہیں کی گئی بلکہ اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔'' (تحفہ حنفیہ ج ا ص ۴۲۷) باقی داؤد ارشد نے جو چند مسائل میں اہل مدینہ سے حنفیوں کا اختلاف نقل کیا ہے وہ بے سود ہے کیونکہ کوئی حنفی فقہ مالکیہ کو کوک شاستر یا اسلامی تعلیم کو مسخ کرنا نہیں کہتا بلکہ ہمارے ہاں تو ان کو ایک یقینی اور دوسرے اجر کا احتمال ہے تو ہمارا ان سے

اجتہادی اختلاف ہے۔ غیر مقلدین کا عنادی اختلاف ہے کیونکہ وہ اجتہاد کو کارِ ابلیس اور تقلید کو شرک کہتے ہیں۔

وضاحتِ مسئلہ:

مذکورہ بالا مسئلہ کو غیر مقلدین کا حیا سوز کہنا یہ ایک بے محل بات ہے کیونکہ نہ ہی صاحبِ درمختار نے اس کے حیادار ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ کسی اور حنفی نے بلکہ صاحبِ درمختار نے تو اس کو گناہ کبیرہ قرار دے کر اس کا ارتکاب کرنے والے پر تعزیر کی سزا مقرر کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "**بل یعزر و تذبح ثم تحرق ویکره الانتفاع بها حیا و میتا مجتبٰی وفی النهر الظاهر انه یطالب ندبا لقولهم تضمن بالقیمة**" (در مختار ج۴ ص۲۶) یعنی جانور سے بدکاری کرنے والے پر تعزیر لگائی جائے گی۔ (نیز یہ بھی فرماتے ہیں) کہ تعزیر کبھی قتل کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ (ج۴ ص۶۲) اور اس جانور کے ساتھ زندگی اور موت کی حالت میں نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔ اور شامی نے لکھا ہے کہ اگر غیر کے جانور سے یہ فعل کرے تو مستحب ہے کہ مالک کو اس جانور کی قیمت ادا کرے، پھر اس جانور کو ذبح کر کے جلا دے۔ معلوم ہوا کہ فقہ حنفی تو آدمی اور جانور کیا اس فعل کے ذکر کو بھی برداشت نہیں کرتی۔

نوٹ:

داؤد صاحب نے بحر الرائق کا بھی اس مسئلہ میں حوالہ دیا ہے، حالانکہ بحر الرائق میں لکھا ہے کہ طبیعت سلیمہ اس فعل سے نفرت کرتی ہے اور اس برائی پر ابھارنے والی انتہائی بداخلاقی یا مغلوب الشہوت ہونا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ اس فعل کے ارتکاب کرنے والے کو تعزیر اسی دلیل سے لگائی جائے گی۔ جس کو ہم نے (مسئلہ لواطت میں) بیان کر دیا ہے اور جو یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ جانور ذبح کر کے جلا دیا جائے یہ اس فعل کے تذکرہ کو ختم کرنے کے لیے ہے اور یہ واجب نہیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر ماکول اللحم جانور نہ ہو تو اس کو ذبح کر

کے جلا دیا جائے اور اگر ماکول اللحم ہو تو اس کو ذبح کر دیا جائے۔ اور امام صاحب کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کو بھی جلا دیا جائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب جانور بدفعلی کرنے والے کا ہو اور اگر اس کے غیر کا ہو تو قاضی خان میں ہے کہ اس کے مالک کو اختیار ہے کہ یہ جانور اس برائی کرنے والے کو قیمتاً دے دے اور تبیین الحقائق میں ہے کہ اس کے مالک سے مطالبہ کیا جائے گا کہ یہ جانور قیمت لے کر اس شخص کو دے دے، پھر اس کو ذبح کر دیا جائے۔ فقہاء نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ایسا حکم سماع سے ہی تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کو سماع پر محمول کیا جائے گا۔ (بحر الرائق ج۵ ص۱۸) اگر داؤد صاحب فقہ کی پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں تو نہ ان کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ فقہ میں حیا سوز مسائل ہیں اور نہ یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ فقہ میں چوپائے سے بدفعلی کی اجازت دی جا رہی ہے۔

مسئلہ نقض وضوو غسل:

باقی وضو یا غسل کے ٹوٹنے کا بے حیائی سے تو تعلق نہیں۔ دیکھیے پیشاب، پاخانہ، نیند وغیرہ نواقض وضو بے حیائی کے کام نہیں لیکن ان سے وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر کوئی شخص وضو کر کے ماں باپ کی نافرمانی کرے یا لوگوں کو فحش گالیاں نکالے، مجمع میں ننگا ہو کر ناچنا شروع کر دے، اپنے اساتذہ اور اولیاء اللہ کی توہین کرے تو یہ سب بے حیائی اور برائی کے کام ہیں لیکن ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ غیر مقلدین میں سے کسی نے ان کو ناقض نہیں لکھا اور نہ قرآن وسنت سے ان کا ناقض ہونا ثابت کر سکتے ہیں تو اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ غیر مقلدین نے ان برائیوں کا دروازہ کھول رکھا ہے یا ان کے مسائل حیا سوز ہیں۔ اسی طرح وجوب غسل کا تعلق غسل کو توڑنے والی چیزوں کے ساتھ ہے۔ حیا و عدم حیاء کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔ مثلاً بیوی سے ہم بستری، حیض، نفاس یہ کوئی گناہ اور بے حیائی کی چیزیں نہیں ہیں اور ان سے غسل واجب ہو جاتا ہے مگر کسی کو ناحق قتل کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، شراب پینا، سود

دینا اور رشوت لینا یقیناً گناہِ کبیرہ ہیں، مگر ان سے غسل واجب ہونا، کسی کا قول نہیں تو کوئی آدمی یہ شور مچائے کہ دیکھو ان گناہوں کا یہ دروازہ کھولنا ہے، یہ غلط بات ہے۔

مسلکِ غیر مقلدین:

غیر مقلدین کا یہ عام نعرہ ہوتا ہے کہ اہل حدیث کے دو اصول اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔

ابو یحییٰ خان نوشہروی بھی فرماتے ہیں۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

''یعنی اصل دین کلام اللہ کو معظم رکھنا، پھر حدیث مصطفیٰ ﷺ کو جان پر مسلم رکھنا ہے۔''
(نقوش ابوالوفا ص ۳۴)

نیز مولوی صادق صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں: ''مسئلہ اور فتویٰ صرف وہی قابلِ عمل ہے جو قرآن وحدیث کے ساتھ مدلل ہو۔'' (صلاۃ الرسول ص ۴۶) بلکہ خود داؤد ارشد صاحب فرماتے ہیں: ''یہ بات یاد رکھیے کہ ہمارے نزدیک احکام شرعیہ میں قرآن وحدیث ہی کافی ہے۔'' (تحفہ حنفیہ ص ۱۶۸) اپنے اس مسلمہ اصول کے مطابق کوئی غیر مقلد قرآنِ پاک یا حدیث مرفوع سے یہ ثابت کردے کہ ''وطی بہیمہ بلا انزال'' سے وضو یا غسل واجب ہو جاتا ہے اور اس کے معارض بھی کوئی حدیث نہ ہو تو ہم مان جائیں گے کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے مگر ایسی کوئی روایت غیر مقلدین پیش نہیں کرسکتے جس میں جانور کی صراحت ہو۔ ایک غیر مقلد کہنے لگا کہ بخاری اور مسلم کے حوالہ سے محمد جونا گڑھی نے لکھا ہے کہ حدیث میں وان لم ینزل آیا ہے۔ میں نے کہا کہ بخاری کی طرف اس روایت کی نسبت غلط ہے۔ مسلم میں یہ روایت موجود ہے مگر اس میں اور بخاری میں غسل واجب ہونے کی روایات بھی ہیں اور امام بخاری کا مسلک بھی عدم وجوب غسل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ''والغسل

احوط''، یعنی غسل احتیاطی چیز ہے نہ کہ وجوبی۔ (بخاری ص ۴۳) علامہ وحید الزماں فرماتے ہیں یہاں ایک اور مذہب ہے جس کی طرف صحابہ کرام کا ایک گروہ گیا ہے اور اس کو ہمارے بعض اصحاب نے پسند کیا ہے جیسے امام بخاری وہ یہ ہے کہ غسل صرف دخول سے واجب نہیں ہوتا جب کہ انزال نہ ہو۔ ''انما الماء من الماء'' کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے۔ (نزل الابرار ج ۲ ص ۲۳)

نوٹ:

وان لم ینزل والی روایت عورت سے ہم بستری کے متعلق ہے جانور کا وہاں کوئی ذکر نہیں، جانور کو عورت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور قیاس تو بہرحال غیر مقلدین کے ہاں کارِ ابلیس ہے اس لیے اس قیاس سے شیطان کا تمغہ ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ وحید الزماں غیر مقلد لکھتا ہے۔ اور اسی طرح (غسل واجب نہیں ہوتا) جب کہ جانور کی فرج میں یا آدمی یا جانور کی دبر میں ادخال کرے۔ (نزل الابرار من فقہ النبی المختار، ج ۱ ص ۲۳)

فائدہ:

داؤد ارشد نے بحر الرائق کی اس عبارت میں تسلیم کر لیا ہے کہ حنفی مسئلہ کی بنیاد حدیث ہے۔ چنانچہ داؤد ارشد نقل کرتے ہیں: ''فقال علماء نا ان الموجب للغسل هو انزال المنى كما افاده الحديث الاول'' یعنی ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب منی خارج ہو (بدوں انزال غسل واجب نہیں ہوتا) جیسا کہ پہلی حدیث کا مفاد ہے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۵۹، تحفہ حنفیہ ص ۴۲۵) جب یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے تو مذکورہ بالا سارا اعتراض حدیث پر ہوگا جو منکرین حدیث کا شیوہ ہے نہ کہ اہلِ حدیث کا۔

اعتراض نمبر ۲:

مدینہ سے اظہار نفرت کے لیے دوسرا مسئلہ داؤد ارشد نے درمختار سے یہ نقل کیا ہے ''وافاد

کلامه طهارة جلد کلب وفیل وهو المعتمد" یعنی صاحب تنویر کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ ہاتھی اور کتے کی کھال پاک ہے، اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ کتا نجس العین نہیں، تصحیح کے لحاظ سے یہی اصح ہے۔(رد المحتار ج ا ص ۲۰۴)
اس پر تبصرہ کرتے ہوئے داؤد ارشد لکھتے ہیں مطلع صاف ہے کہ اگر جھنگوی صاحب کتے کی کھال کی جیکٹ بنوائیں یا ٹوپی خواہ ڈول یا جائے نماز یا دسترخوان یا اپنی کتب پر جلدیں بندھوائیں، سب جائز ہے بلکہ اگر اس کھال کا مصلیٰ بھی بنالیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶)

جواب:

اس حوالہ سے صرف مدینہ کی تصنیف سے اظہارِ بغض کیا ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث ذکر نہیں کی جب کہ شامی نے اسی حاشیہ میں بیہقی کے حوالے سے ہاتھی کے بارے میں یہ حدیث ذکر کی تھی کہ "انه صلی اللہ علیہ وسلم **کان یمتشط بمشط من عاج**" کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھی کے دانت سے بنی ہوئی کنگھی سے بالوں میں کنگھی کرتے تھے اور علامہ جوہری وغیرہ نے عاج کی تفسیر ہاتھی کی ہڈی کے ساتھ کی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے: "**قال سمعت رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **یقول اذا دبغ الاهاب فقد طهر**" (مسلم ص ۱۵۹)

فائدہ:

اس روایت میں مطلق چمڑے کے دباغت سے پاک ہونے کا ذکر ہے۔ امام صاحب نے خنزیر کے چمڑے کو فَاِنَّہٗ رِجْسٌ کی وجہ سے نجس العین ہونے کی بنا پر اور انسان کے چمڑے کو احترام کی وجہ سے مستثنیٰ کیا۔ امام نووی اس مسئلہ کو اجتہادی قرار دے کر سات مذاہب نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ان مذہب والوں سے ہر گروہ نے احادیث وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ معلوم ہوا امام نووی متوفی ۶۷۶ کے زمانہ تک اس مسئلہ کو حدیث کے

مخالف نہیں کہا جاتا تھا بلکہ مبنی بر حدیث قرار دیا جاتا تھا۔ آج کل غیر مقلدین نے اس پر اعتراضات شروع کیے ہیں جب کہ پرانے غیر مقلدین نے بھی اس کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ قرار دیا تھا۔ علامہ وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں جس چمڑے کو بھی دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ ہمارے بعض اصحاب نے خنزیر اور آدمی کے چمڑے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور صحیح عدم استثناء ہے۔ (نزل الابرار ص ۲۹) نیز فرماتے ہیں کہ مچھلی کا خون پاک ہے، اسی طرح کتا اور اس کا لعاب ہمارے محققین اصحاب کے نزدیک۔ (نزل الابرار ص ۳۰) نیز فرماتے ہیں کہ اس چمڑے کا جائے نماز اور ڈول بنالیا جائے گا اور اگر وہ پانی میں گر گیا اور پانی میں تغیر پیدا نہ ہو تو پانی ناپاک نہیں اگرچہ کتے کا منہ پانی کو پہنچ جائے۔ اسی طرح کپڑا کتے کے چھینٹوں سے ناپاک نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے کاٹنے سے ناپاک ہوگا اور نہ ہی جوڑ ناپاک ہوگا۔ اگرچہ اس کو اس کا لعاب بھی لگ جائے اور اس کو اٹھا کر نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (نزل الابرار ج ا ص ۳۰)

نوٹ:

جب یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ ہے تو مولانا جھنگوی پر کسے ہوئے تمام الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں گے۔

فائدہ:

بعض غیر مقلدین ابوداؤد شریف کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی چمڑی کو پہننے اور ان پر سوار ہونے سے روکا ہے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۵۷۰)

جواب:

یہ حدیث اپنے ظاہر کے اعتبار سے بالاتفاق متروک ہے کیونکہ صحاح ستہ کے راوی امام زہری تمام مرداروں کی چمڑیوں سے بغیر دباغت کے بھی نفع حاصل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ دباغت کے بعد خنزیر کے علاوہ باقی تمام درندوں کی چمڑیوں کو پاک قرار

دیتے ہیں۔ امام مالک اپنی ظاہر روایت میں بغیر دباغت کے خشک اور تر مقامات میں تمام
چمڑیوں کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام شافعی کتے، خنزیر اور ان سے پیدا ہونے
والے جانوروں کے علاوہ تمام درندوں کی چمڑیوں کو دباغت کے بعد پاک قرار دیتے ہیں۔
(رحمۃ لـلامۃ ص ۸) نیز ابوداؤد کی اسی روایت میں ہے کہ راوی نے حضرت امیر
معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ ساری چمڑیاں آپ کے گھر میں استعمال ہوتی ہیں۔
معلوم ہوا کہ یہ روایت یا عدم دباغت پر محمول ہے یا متکبرانہ لباس پر محمول ہے۔

اعتراض نمبر ۳:

ثم الاحسن زوجۃ یعنی امامت کی ابتدائی شرائط میں اگر برابری ہو تو اسے امام بنایا جائے
جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ ثم الاکبر راسا والاصغر عضوا یعنی اگر ان تمام شرائط میں
برابر ہوں تو امام وہ بنے جس کا سر بڑا اور عضو چھوٹا ہو۔ پھر عضو کی وضاحت کرتے ہوئے شارح
فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ذکر ہے۔ (در المختار مع رد المحتار ج ا ص ۵۵۸) اس پر
تبصرہ کرتے ہوئے داؤد ارشد لکھتے ہیں الغرض بقول مصنف در المختار حنفیہ کا یہ موقف ہے کہ
امامت میں مقدم وہ ہوگا جس کی بیوی خوبصورت، سر بڑا اور ذکر چھوٹا ہو، اگر پیمائش کے
پیمانہ کی تعدیل بھی بتا دیتے تو مسئلہ پوری طرح واضح ہو جاتا۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶، ۴۲۷)

جواب:

صاحب درمختار نے امامت کا حق دار سب سے پہلے احکام نماز کو زیادہ جاننے والے کو اور
اگر احکام صلاۃ کے علم میں سب برابر ہوں تو پھر نمبر دو اچھی تلاوت والے کو، پھر نمبر تین
شبہات سے زیادہ بچنے والے کو اگر اس میں بھی برابر ہوں تو پھر معمر کو، پھر اچھے اخلاق والے
کو، پھر زیادہ تہجد پڑھنے والے کو، پھر خاندانی خوبیوں والے کو، پھر نسبی شرافت رکھنے والے
کو، پھر اچھی آواز والے کو، اگر ان تمام خصلتوں میں برابر ہوں تو پھر خوبصورت بیوی کی وجہ
سے یہ شخص اجنبی عورتوں سے تعلق نہیں رکھے گا اور زیادہ پاک دامن ہوگا اور علامہ شامی نے

یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات ساتھیوں یا رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے۔
اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ ہر آدمی اپنی بیوی کی صفات بیان کرے تاکہ اس کی بیوی کا
خوبصورت ہونا معلوم ہو۔ غیر مقلدوں کو اگر اس پر اعتراض ہے تو اپنی خوبصورت بیویوں کو
طلاق دے دیں اور یہ بات نزل الابرار میں وحید الزماں نے ثم الاحسن زوجۃ کے الفاظ سے
صفحہ ۹۶ میں ذکر کی ہے۔ تو ہم یہ اعتراض عطائے تو بلقائے تو کہہ کر غیر مقلدین کو واپس
کرتے ہیں اس کے بعد زیادہ مال دار، پھر زیادہ مرتبہ والے، پھر زیادہ صاف کپڑے والے
کو امامت کا زیادہ حق دار قرار دیا ہے۔ اگر ان تمام صفات میں برابر ہوں تو پھر نزل الابرار
کے قول کے مطابق بڑے سر اور چھوڑے قدموں والا زیادہ حق دار ہے جس کی بنا اس مشہور
پنجابی مثل پر ہے۔ ''سر وڈے سرداراں دے، پیر وڈے گنواراں دے'' یعنی سر کا بڑا ہونا
سرداری کی علامت اور پاؤں کا بڑا ہونا گنوار پن کی علامت ہے۔ لیکن درمختار میں قدما کی
جگہ الاصغر عضوا کے لفظ ہیں۔ عضو کا معنی جوڑ ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب
یہ ہے کہ انسان کے اعضاء متناسب ہوں، اس کے لیے سر کا بڑا ہونا اور دوسرے اعضاء کا
چھوٹا ہونا یا اس کے ترکیب مزاج کے خلل کی دلیل ہے جس کو عدم اعتدال عقل لازم ہے۔ تو
خلاصہ یہ نکلا کہ امام متعدل عقل والا ہونا چاہیے۔ غیر مقلدین کو اگر یہ چیز اچھی نہیں لگتی تو ان
کو پاگل امام مبارک ہوں۔ داؤد ارشد نے درمختار کی شرح کے جس صفحہ کا حوالہ دے کر یہ لکھا
ہے کہ شارح فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ذکر ہے یہ علامہ شامی پر جھوٹ ہے۔ علامہ شامی
نے حاشیہ ابو سعود سے اس کی تردید نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ حاشیہ ابو سعود میں ہے
کہ بعض لوگوں سے اس مقام میں وہ بات نقل کی گئی ہے جو ذکر کے لائق نہیں چہ جائے کہ
اس کو کتاب میں لکھا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ گویا ابو سعود اس بات کی طرف اشارہ کر
رہے ہیں جو بیان کی جاتی ہے کہ عضو سے مراد ذکر ہے۔ (شامی ص ۵۵۸) تو شارح درمختار
تو اس بات کی تردید کر رہے ہیں لیکن غیر مقلد نے اس تردید کی ہوئی بات کو شارح شامی کی
طرف بحوالہ صفحہ منسوب کر دیا۔

نوٹ:

انسان کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ معلوم نہیں داؤد ارشد تین سو انسٹھ جوڑ کو چھوڑ کر اسی ایک عضو سے کیسے چمٹ گئے۔

فائدہ:

اگر اس عضو سے عضو مخصوص ہی مراد لیا جائے تو اصغرہ عضوا کا مجازی معنی مراد ہوگا۔

مجازی معنی مراد ہوگا یعنی اجنبی عورتوں کے پیچھے پھرنے والا نہ ہو۔ اپنی شرم گاہ کو اپنے کنٹرول میں رکھنے والا، پھر جیسے لمبا ہاتھ سخاوت سے اور چھوٹا ہاتھ کنجوسی سے کنایہ ہوتا ہے۔ اب بھی اس کے مرادی معنی پاک دامن ہونے کا کیا جائے گا۔

اعتراض نمبر۴:

لو خاف الزنا یرجی ان لا وبال علیه یعنی اگر زنا کا اندیشہ ہو تو مشت زنی کرے تو کوئی وبال نہ ہوگا۔ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر زنا سے بچاؤ کا یقین ہو تو مشت زنی کرنی واجب ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۷)

جواب:

یہاں دو حالتوں کا ذکر ہے۔ ایک حالت اختیاری، اس میں اس فعل کو مکروہ تحریمی لکھا ہے اور **ناکح الید ملعون** والی حدیث پیش کر کے اس فعل کے مرتکب کو لعنتی لکھا ہے۔ پھر درمختار میں لکھا ہے کہ ہر ایسے گناہ کا مرتکب جس میں حد نہ ہو تو اس میں تعزیر واجب ہے۔ (درمختار ج ۴ ص ۶۶) لہٰذا فقہ حنفی کے مطابق تو نوجوان تعزیر کے خوف سے اس فعل سے احتراز کریں گے۔ اور حالتِ اضطراری پر غیر مقلد نے اعتراض کیا ہے اور اس میں بھی شامی کا یہ قول کرنا کہ فالرجال ان لا یعاقب کہ اس حالت میں بھی عذاب سے بچنے کی امید ہے۔ دلالت کرتا ہے کہ یہ فعل ہر حالت میں ناپسندیدہ ہے، بلکہ شامی نے تو اپنی بیوی سے استمناء

کرانے کو بھی **والذین هم لفروجهم حافظون** کے خلاف قرار دیا ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں بیوی اور لونڈی کے علاوہ قضائے شہوت کو حرام قرار دیا ہے۔ صاحب درمختار نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ **الاستمناء حرام فیه تعزیر ولو مکن امراته او امته من العبس بذکره فانزل کره** یعنی مشت زنی حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے اور اگر کسی نے یہ فعل بیوی یا لونڈی سے کرا کے انزال کیا تو وہ بھی مکروہ ہے۔ (درمختار ج ۴ ص ۲۷)

مسلک غیر مقلدین:

غیر مقلد نے اپنی حالت اختیاری مسئلہ پر پردہ ڈالنے کے لیے ہماری حالت اضطراری کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ کہ ہتھیلی یا جمادات میں سے کسی چیز کے ساتھ منی نکالنا ضرورت کے وقت مباح ہے، خاص کر جب یہ کام کرنے والا فتنہ یا معصیت میں واقع ہونے کا خوف کرنے والا ہو کہ جس کی اقل حالت نظر بازی ہے کہ اس وقت مستحب ہے بلکہ کبھی واجب ہو جاتی ہے جب کہ گناہ کا چھوڑنا بغیر اس حالت کے ممکن نہ ہو اور مشت زنی کے معن کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ ثابت اور صحیح نہیں بلکہ بعض اہل علم نے اس مشت زنی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی گھر والیوں سے غائب ہونے کے وقت نقل کیا ہے اور اس جیسے کام میں کوئی حرج نہیں بلکہ بدن کے دوسرے موذی فضلات (پیشاب و پاخانہ از ناقل) کے نکالنے کی طرح ہے اور اس کا حرام جگہ میں رکھنا ہے۔ (عرف الجادی ص ۲۰۷) نیز لکھتے ہیں اس کام کا برا ہونا ان وداعیوں سے زیادہ برا نہیں ہے کہ ان کے ساتھ قے وغیرہ کا اثر ہوتا ہے۔ تو مشت زنی کرنے والے پر تعزیر یا حد کا حکم لگانا مسلمان کے معصوم ہونے کے ساتھ اور اس کی تکلیف کے حرام ہونے کے ساتھ بلا دلیل ہے۔ (عرف الجادی ص ۲۰۷، ۲۰۸)

نوٹ:

اس کتاب کا پورا نام (عرف الجادی من جنان ہدی الہادی'' ہے یعنی ہادی کامل ﷺ کی

ہدایت کے باغ کے زعفران کی خوشبو۔

تبصرہ:

داؤد ارشد نے ہماری اضطراری حالت پر اعتراض کیا تھا۔ نور الحسن نے عام حالات میں نوجوانوں کو ہتھیلی سے اور عورتوں کو جمادات وغیرہ سے صرف اباحت نہیں بلکہ استحباب اور وجوب تک نوبت پہنچادی۔ نظر بازی کوئی حالت اضطراری نہیں، اس میں اس فعل کو واجب قرار دینا بلکہ عمل صحابہ کہہ کر نوجوان بچوں اور بچیوں کو مزید اطمینان دلانا اور یہ کہنا کہ یہ پیشاب و پاخانے کے موذی فضلات کے نکالنے کی طرح ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور قے جیسی دوا کے استعمال سے یہ فعل برا نہیں پھر فقہاء کے تعزیری حکم کو عصمت مسلم کے خلاف اور ایذاء مسلم کی حرمت میں داخل کر کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کس قدر اس فعل کی رغبت دلائی ہے۔

تم خود ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کرو
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

اعتراض نمبر۵:

او جامع فی ما دون الفرج ولم ینزل یعنی اگر روزے کی حالت میں شرم گاہ کے علاوہ مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (درمختار ج۲ ص ۳۹۸)

جواب:

غیر مقلد نے حسب عادت اس مسئلہ کے خلاف کوئی قرآن کی آیت یا حدیث پیش نہیں کی اور نہ ہی قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں اگر اجنبیہ سے ایسا فعل کیا تو علامہ شامی نے اس پر تعزیر نقل کی ہے۔ (شامی ج۴ ص ۶۸) اور درمختار میں ہے **ویکون التعزیر بالقتل** کہ تعزیر میں آدمی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

مسلک غیر مقلدین:

ولو جامع امراتہ فی ما دون الفرج ولم ینزل لم یفسد (نزل الابرار ج۱

ص ۲۲۹) غیر مقلدین کی اس مسئلہ میں صرف فراخ دلی نہیں بلکہ نبی اقدس ﷺ کی فقہ کے عنوان سے اس کو ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ کا منکر نبی مختار ﷺ کی فقہ کا منکر ہے۔

اعتراض نمبر۶:

لو ادخل ذکرہ فی بهيمة او ميتة یعنی اگر کوئی شخص چوپائے جانور (گائے، بھینس، بکری) کے ساتھ بدفعلی کرے تو روزہ نہیں بگڑتا۔ (درمختار ج۲ ص ۳۹۹) نیز اس مسئلہ کو (مظاہر حق ج۲) سے بھی نقل کیا ہے۔

جواب:

علامہ شامی نے اس مسئلہ کے حاشیہ میں لکھا ہے یہ ایسی فرج ہے جو عادتاً زندہ عورت کی طرح قابل شہوت نہیں اس لیے اس کو عام جامعت پر قیاس کرنا صحیح نہیں اور خاص جزئیہ کے بارے میں کوئی غیر مقلد صحیح صریح روایت پیش نہیں کر سکتا، جس میں اس حالت میں روزہ رکھنے کا ذکر ہو۔

فائدہ:

درمختار میں من غیر انزال کے الفاظ تھے۔ داؤد ارشد نے ان کو حذف کر دیا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ انزال کی حالت میں بہرحال روزہ ٹوٹ جائے گا۔ غیر مقلدین مفسدات صوم صحیح صریح حدیث سے پوری تعداد میں کبھی بھی گنوا نہیں سکتے اگر جرأت ہو تو تمام مفسدات صلاۃ کے لیے صحیح صریح روایت پیش کرے۔

اعتراض نمبر۷:

يباح اسقاط الولا قبل اربعة شهر یعنی چار مہینے سے پہلے حمل کو گرا دینا مباح ہے۔
(درمختار بحوالہ تحفہ حنفیہ ص ۴۲۷)

جواب:

درمختار میں ہے کہ ویکرہ ان تسقی لاسقاط حملها وجاز لعذر حیث لایتصور (درمختار ج۶ ص۴۲۹) اس میں بچے کی صورت بننے کے بعد ہر حالت میں اسقاط کو ناجائز قرار دیا ہے اور صورت بننے سے پہلے دو حالتوں کا ذکر کیا ہے۔ ① حالت اختیاری ② حالت اضطراری۔ حالتِ اختیاری میں اسقاط کی دوائی پینے کو مکروہ قرار دیا ہے اور حالتِ اضطراری میں ایسی دوائی کو جائز لکھا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی وضاحت لکھی ہے کہ عذر کی حالت مثلاً یہ ہے کہ کوئی عورت بچے کو دودھ پلاتی ہو اور حاملہ ہو جائے اور اس کا دودھ منقطع ہو جائے، بچے کا باپ کوئی دودھ پلانے والی کرایہ پر نہ رکھ سکتا ہو اور بچے کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس صورت میں چار مہینے سے پہلے چونکہ روح نہیں پھونکی جاتی اسقاط کو جائز قرار دیا ہے اور بغیر عذر کے اس کو گناہ لکھا ہے۔ روح پھونکنے کے بعد اسقاط سے قتل کا گناہ ہوگا۔

(شامی ج۶ ص۴۲۹)

نوٹ:

غیر مقلد کسی صحیح صریح حدیث سے مذکورہ مسئلہ کی بالتفصیل تردید کر دیں تو ہم مان جائیں گے کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔

مسلک غیر مقلدین:

علامہ وحیدالزماں لکھتے ہیں: ویکره ان تسقی ید سقاط حملها وجاذ لعذر او خوف هلاك (نزل الابرار ج۳ ص۱۲۴) ہمارے ہاں تو چار ماہ کے بعد عذر کی وجہ سے بھی اسقاط کی اجازت نہیں تھی، مگر غیر مقلد نے مطلقاً عذر کی بنا پر جواز اسقاط کی رخصت دی ہے جو جان دار بچے کے اسقاط کو بھی اپنے عموم کی وجہ سے شامل ہے۔ اب غیر مقلد ہی فیصلہ کریں کہ کنڈوم سسٹم کو کن کی حمایت حاصل ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں　　یوں آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اعتراض نمبر ۸:

ومواضع تربصه عشرون یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی (عورت کی طرح) عدت گزارنی پڑے گی۔ (درالمختار مع الشامی ج۳ ص۵۰۳) داؤد ارشد صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پندرہویں صدی کے مقلد وذرا بتلاؤ تو سہی کہ مرد کو بھی حیض آتا ہے جس سے اس کی عدت کا اندازہ ہوگا یا مرد کو حمل ہو جاتا ہے جو عدت کا کہہ رہے ہو۔

(تحفہ حنفیہ ص۴۲۸)

جواب:

درمختار میں عدت کے لغوی شرعی اور اصطلاحی تین معنی ذکر کیے ہیں۔ شرعی معنی تربص یلزم المرأة او الرجل عند وجود سببه یعنی شرعاً عورت نکاح کے انتظار کے لیے کچھ مدت ٹھہرنا جو اپنے سبب کے پائے جانے کے وقت عورت یا مرد کو لازم ہو اس انتظار کے لیے نہ حیض کی ضرورت ہے نہ حمل کی، پھر علامہ شامی نے اس کی پوری تشریح کی ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے مطلقہ ہونے کے بعد بیوی کی بہن یا پھوپھی یا خالہ یا بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو بیوی کی عدت گزرنے کا انتظار ضروری ہے جیسا کہ بیوی کو دوسری جگہ نکاح کے لیے عدت گزارنی ضروری ہے۔ اب اس انتظار کے لیے آدمی کو نہ حیض آنے کی ضرورت ہے کہ حمل کی عورت کی عدت سے اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ پھر آگے اصطلاح فقہاء میں عدت کی تعریف کو عورت کے ساتھ خاص قرار دیا ہے اس میں مرد شامل نہیں۔ داؤد ارشد نے یہاں شرعی اور اصطلاحی معنی میں گڑبڑ کر کے یہ اعتراض کیا ہے۔ اسی طرح مطلقہ ثلاثہ کا پہلا خاوند اگر اس سے نکاح دوبارہ کرنا چاہتا ہے تو جب تک دوسرے خاوند کے دخول کے بعد اس کی طلاق یا وفات کی عدت نہ گزارے اس وقت تک نکاح جائز نہیں تو یہ بھی انتظار خاوند اس کی عدت ہے جو غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے تو کیا اس میں غیر مقلدین کو حیض یا حمل شروع ہو جاتا ہے؟

اعتراض نمبر۹:

اوزنی فی دار الحرب او البغی یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے بھی حد نہیں۔ (درمختار ج۴ص۲۸)

جواب:

مصنف ابن ابی شیبہ میں حکیم بن عمیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد انصاری اور ان کے ماتحت کے عملے کے تحت لکھا کہ وہ کسی مسلمان پر دارالحرب میں حد نہ لگائیں، یہاں تک کہ وہ صلح والی زمین کی طرف آجائیں تاکہ شیطانی رحمت اس کو کافروں کے ساتھ ملنے پر نہ ابھار دے۔ (نصب الرایہ ج۲ص۹۳)

عطیہ بن قیس کلابی سے روایت ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی قتل، زنا یا چوری کر کے دشمن کی طرف بھاگ جائے پھر اس کو پکڑ لیا جائے اس کی ذات کو امان دے کر اس کو وہ حد قائم کی جائے گی جس سے وہ بھاگا تھا اور جب قتل کیا دشمن کی زمین میں زنا کیا یا چوری کی پھر اس کو امان دے کر پکڑ لیا گیا، پھر اس نے امان لے لی، اس پر وہ سزا جاری نہیں کی جائے گی جس کا اس دارالحرب میں ارتکاب کیا تھا۔ (اعلاء السنن ج۱۱ص۲۶۶) نیز حضرت ابودرداء، حضرت زید بن ثابت، حضرت حذیفہ سے یہ مسلک ثابت ہے کہ یہ تمام زنا کی اجازت دینے والے تھے نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ ان کے پیش نظر ایسے لوگوں کو کفر سے بچانا تھا۔ داؤد ارشد نے عبارت بھی پوری پیش نہیں کی کیونکہ درمختار میں یہ علت بھی بیان کی ہے کہ لشکر کے سپہ سالار کو حدود قائم کرنے کی ولایت نہیں اگر حدود قائم کرنے کا اختیار رکھنے والا قاضی ہی سپہ سالار ہو تو وہ حد قائم کر سکتا ہے۔

اعتراض نمبر۱۰:

ولاحد بالزنا غیر مکلف بمکلفة مطلقا یعنی اگر نابالغ غیر مکلف مرد اگر کسی

مکلف بالغہ عورت سے زنا کرے تو دونوں پر حد نہیں۔ (درمختار ج۴ص۲۹) داؤد ارشد لکھتا ہے زنا کی اجازت کا کتنا عمدہ حیلہ ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص۴۲۸)

جواب:

غیر مقلدین سے بارہا یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ زنا اور حد کی جامع مانع تعریف بیان کریں لیکن فقہاء کی فقہ کو چھوڑ کر صرف قرآن وسنت سے وہ جامع مانع تعریف نہ بیان کر سکیں ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً منقول ہے کہ مسلمانوں سے جتنا ہو سکے حدود کو ساقط کرو اگر مسلمان کے لیے کوئی خلاصی کا راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لیے کہ امام کا معافی میں خطا کرنا سزا میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ (ابن ابی شیبہ وترمذی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً نقل کیا کہ حدود کو شبہات سے ساقط کردو۔ (اعلاء السنن ج۱۱ص۵۲۱) صورت مذکورہ میں غیر مکلف بچے کے فعل کو زنا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس عدم زنا کے شبہ کی وجہ سے حد کو ساقط کیا گیا، البتہ مکلفہ پر تعزیر جاری ہوگی کیونکہ اسی درمختار میں کل مرتکب معصیة لاحد فیها فیها تعزیر (درمختار ج۴ص۶۸)

فائدہ:

شریعت میں سزا کی دو قسمیں ہیں۔ حدود اور تعزیر، حد اس سزا کو کہتے ہیں جس کی مقدار متعین ہے اور وہ حقوق اللہ میں کوتاہی پر لوگوں کو ڈالنے کے لیے قائم کی جاتی ہے اور یہ صرف پانچ گناہوں پر ہے۔ حد زنا، حد خمر، حد قذف، حد سرقہ، حد قطع الطریق، حد ڈاکہ۔ ان کے علاوہ جتنے گناہ ہیں ان میں تعزیری سزا ہی قائم کی جاتی ہے۔ حد میں کوئی شخص اپنی طرف سے کمی زیادتی نہیں کر سکتا۔ جہاں سو کوڑے ہوں گے وہاں سو ہی لگانے پڑیں گے، ایک کوڑا کم یا زیادہ نہیں ہوگا۔ تعزیر کی سزا حسب ضرورت کم زیادہ ہو سکتی ہے۔ غیر مقلدین جہاں لاحد علیہ کا لفظ آجاتا ہے۔ اس سے اس فعل کی جائز ہونے کا معنی لیتے ہیں جو قرآن و سنت اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ حدیث پاک میں ہے لا تقطع ید السارق

الابرع دینار فصائدا (متفق علیہ، مشکوۃ، ج۲ص۳۱۳) اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایالاقطع فی ثمر ولا کسر رواہ مالک (ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایالاتقطع الایدی فی الغزو تو کیا غیر مقلدین ان احادیث کا یہی مفہوم لیں گے کہ ربع دینار سے کم چوری جائز ہے، اسی طرح پھل، لکڑی کی چوری جائز ہے اور میدانِ جہاد میں بھی چوری جائز ہے یانعوذ باللہ حدیث نے چوری کا دروازہ کھول دیا غیر مقلدین ہی بتائیں کہ مردار، خنزیر اور پاخانہ کھانے پر کیا حد ہے، اگر اس کی حد مذکور نہیں تو داؤد ارشد یہی کہے گا کہ حد کا مذکور نہ ہونا ان چیزوں کے کھانے کا عمدہ حیلہ ہے۔ اگر یہ بات نہیں قطعاً نہیں تو فقہ سے زنا کی اجازت کس طرح نکالی ہے۔

فائدہ:

مذکورہ بالا تمام مسائل اجتہادی ہیں، اگر واقع میں ان تمام مسائل کو خطا پر بھی محمول کر دیا جائے تو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق فقہاء کو ایک اجر ضرور ملے گا جیسا کہ بخاری شریف ج۲ص۱۰۹۲ پر ہے اور اگر اجتہاد صحیح ہوا تو مذکورہ حدیث کی وجہ سے دو اجر ملیں گے۔ البتہ اعتراض کرنے والے غیر مقلد اجتہاد کا ملکہ نہیں رکھتے، اس لیے وہ فاصاب فقد اخطاء (ترمذی ج۲ص۱۲۳) کے مطابق گناہ گار ہوں گے۔

الکلمۃ الفصیح فی رد الکلمۃ القبیح

[مولف]

احقر العباد خدا بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وسپاس اس خالقِ دوجہاں کو زیبا ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس انسان بے بنیان کو ایک قطرہ منی سے پیدا کر کے اشرف المخلوقات کا خلعت پہنایا اور اس کو خزانہ عقل و علم شریعت کا چراغ دے کر راستہ ہدایت کا دکھلایا۔ یعنی کلام الٰہی قرآن شریف بھیج کر اس کو خوابِ غفلت سے جگایا۔ اور وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کو ہدایتِ خلق اللہ کے واسطے بھیجا۔ اول ان سب کے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخر ان سب کے ہمارے آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں آ کر خلق اللہ کو کفر وشرک وبدعت وبت پرستی کے اندھیرے راستے میں گمراہ ہونے سے بچایا۔ ور ہم کو آنحضرت ﷺ کی امت میں پیدا کر کے خیر الامم ٹھہرایا۔ اور رحمت بے نہایت ان کی آل اطہار واصحاب کبار پر ہو جن کی سعی وکوشش سے کروڑہا بندگانِ خدا نے ظلمت کفر وشرک سے بچ کر سچا راستہ حیات ابدی ونجات سرمدی کا پایا۔ بعد اس کے بندہ درگاہ رب الصمد خاکسار خدا بخش متوطن لاہور کل اہل ایمان وایقان کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اخبار اہل حدیث مورخہ ۶/ اپریل ۱۹۰۶ء میری نظر سے گذرا مجھ کو دیکھ کر اس بات کا نہایت افسوس آیا کہ اس آزادی کے زمانہ میں ہر ایک شخص نام کا مولوی بن جاتا ہے اس کو نہ تو کتبِ فقہ سے کچھ مس ہوتی ہے اور نہ اس کو قرآن وحدیث کے علم سے کما حقہ واقفیت ہوتی ہے اور بزرگانِ دین خصوصاً حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف بہتان باندھنے پر کمر باندھ لیتے ہیں۔ اور آخرت کے وعید سے نہیں ڈرتے جن کے حق میں صریح احادیث سراج امتی کی وارد ہیں۔ اور جن کی پرہیزگاری اور اتقاء کل عالم میں اظہر من الشمس ہے اور صدہا دینی کتابوں میں بڑے بڑے علماء اجل آپ کی ورع اور تقویٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اس کی سرخی میں یہ لکھا ہے کہ علماء حنفیہ کرام سے چند سوال (جو تعداد میں پچیس سوالات ہیں) جن کے جوابات ہمارے علماء بارہا دے چکے ہیں ان میں بعض سوالات تو ایسے ہیں کہ مذہب حنفی کا نام لے کر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ناحق بہتان باندھا

ہے۔ اور بعض ایسے سوالات ہیں جو بسبب لاعلمی علم حدیث کے اور نہ سمجھنے عبارت کے کیے ہیں۔ اصل میں یہ اعتراض ستار محمدی والے اور شہاب ثاقب کے مؤلف کے کیے ہوئے ہیں جن کے جواب ہمارے علماء بارہا دے چکے ہیں۔ پھر دوبارہ مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کے لیے ناحق اعتراض کرتے ہیں چند احباب نے مجھے ان کے جواب کی بابت فرمایا۔ سو بندہ نے پہلے عدیم الفرصتی کا عذر کیا لیکن جب وہ بضد ہوئے تو اس عاجز نے واسطے افادہ برادران مسلمین کے دینی کتابوں کے رو سے ان سوالات کے جواب کے لیے قلم اٹھائی تا کہ کوئی بھائی وہابیوں اور غیر مقلدوں کے دامِ تزویر میں نہ آوے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

البع المذنب خدا بخش ساکن لاہور لوہاری دروازہ

سوال نمبر۱:

فقہ غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار چھاپہ نولکشور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۹۶ میں لکھا ہے کہ اگر جانور نجاست اور غیر نجاست دونوں کھاتا ہو اس طرح اس کا گوشت گندہ نہ ہو تو حلال ہے جیسا کہ وہ حیوان حلال ہے جو پالا گیا ہے دودھ سے سور کے اس واسطے اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا۔ اور جو دودھ اس کا نیست ونابود ہو جاتا ہے اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا ہے۔

جواب:

شامی جلد ۱ کے صفحہ ۲۱۷ میں لکھا ہے۔ کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا حلوان اس وقت حلال ہے کہ جب اس کے بعد چند روز تک مثل گائے غلاظت خور کے چارہ کھاتا رہے اور شرح...... میں قنیہ سے منقول ہے کہ تب وہ حلال ہے کہ بہت دنوں کے بعد ذبح کیا جاوے۔ ورنہ نہیں اس مسئلے پر عقلاً ونقلاً کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔ ورنہ لازم آوے گا کہ آپ ترکاریاں وغیرہ نہ کھایا کریں کیونکہ اس میں غلاظت وگوہ سے کھاد ڈالا جاتا ہے۔ مگر ان کو تو آپ حلوائے بے دود سمجھ کر نوش جان کر لیتے ہیں۔ اور فقہ

کے مسائل پر اعتراض کرتے ہیں۔ باوجود اس کے تمہارے فقہ الحدیث مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور کے صفحہ ۵ میں صرف گوشت سور کا پلید لکھا ہے۔ اور سور کے باقی اجزاء میں بحکم اصل کے پاکی کا فتویٰ ہے۔ اور روضۃ الندیہ میں بھی گوشت خنزیر کو پلید لکھ کر بول و براز و منی سب حیوانات کو پاک لکھا ہے۔ جسے سور کے بول و براز و چربی و دودھ و منی وغیرہ کا سوائے گوشت کے پاک ہونا بخوبی ثابت ہے۔ اور نیز ان کے نزدیک نجاست صرف پاخانہ اور بول آدمی کا ہے اور لڑکے شیر خوار کا بول پاک ہے اور لہو جاری سب جانوروں کا پاک ہے۔ حیض و نفاس کا خون پلید ہے۔ اور نیز منی آدمی اور کل حیوانات یعنی سور، کتے، بندر، ریچھ، لومڑ، بھیڑیے کی پاک ہے اور شراب اور گوشت مردار کا بھی پاک ہے صرف گوشت سور کا پلید ہے۔ نواب صاحب بہادر نے بول ولید اور شراب اور لڑکے شیر خوار کے پیشاب کے لگ جانے سے بلکہ سارے کپڑے اور بدن کے تر ہونے سے نماز درست ہے۔ پس ہم مسلمانوں کی ایسے عملیات والوں کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور منی ہر جانور سے پرہیز نہیں کہ اس کو پاک جانتے ہیں۔ اور مردار کتے وغیرہ کے گوشت کو کپڑے میں باندھ کر اور اس کو بغل میں دبا کر نماز پڑھ لینی روا ہے۔ ان سب باتوں کا ثبوت روضہ ندیہ صفحہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ میں موجود ہے۔ جس کو شک ہو وہ ان کی کتابوں سے دیکھ لیوے۔ اور نیز ستارہ محمدی کے صفحہ ۱۲ میں بابت پنیر شام کے جن کا بنا مایہ خنزیر سے مشہور ہے۔ اور ان موحدوں کے رسالہ اظہار الحق کے صفحہ ۱۸ میں اس کا کھانا حضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے حنفی تو ہزار زبان سے اس کی پلیدی اور حرمت کے قائل ہیں صرف موحدوں کے فقہ الحدیث نے ان چیزوں کو پاک اور حلال کر دیا ہے۔ عوام کے سامنے یہ لوگ اس امر سے منکر ہوتے ہیں۔ ان کا یہ انکار فریب اور حق پوشی سے خالی نہیں۔ کیونکہ ان کی فقہ الحدیث سے نشان دیتا ہوں عرف الجادی کے صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پنیر جو نصاریٰ کے شہروں سے آیا کرتا تھا کھایا تھا۔ اور یہ ایک بات کیا فقہ الحدیث نے کئی حراموں کو حلال کر دیا ہے اور ان کے پاک ہونے سے مولوی نذیر حسین کے شاگرد عبد الغفور محمدی کے استفتا جو شوال ۱۲۹۸ھ ہجری میں مطبع

حقی دہلی میں چھپا ہے۔ اس میں بروئے سند دربہیہ کے لکھا ہے کہ ایک پیالے یا گھڑے پانی میں گوہ موت آدمی کے پڑ جانے سے جب تک کہ اس کا رنگ و بو نہ بدلے تو پاک ہے اور منی اور رطوبت فرج عورت کو شکر میں ملا کر کھانا یا یوں ہی چاٹنا روا ہے اور خنزیر کی چربی بھی کھانی درست ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں پاک ہیں اور پاک چیزوں کے کھانے کی قرآن شریف سے اجازت ہے۔ کلوا من الطیبات اور خنزیر کی کھال سے ڈول بنا کر پانی نکالنا اور اس کی جا نماز بنانی اور قرآن مجید کی جلد باندھنی اور پھوپھی سے نکاح کرنا سب کچھ درست ہے اور نیز نواب صاحب بہادر روضہ ندیہ کے صفحہ ۴۱۲ میں سب طیبات کو حلال کہتے ہیں اگرچہ اسے حلال ہونا دودھ و چربی سور کا پایا گیا مگر اسے بڑھ کر اور بھی ثبوت ہے کہ فقہ الحدیث کے صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے۔ اصل ہر چیز میں حلت ہے۔ اور نہیں حرام مگر وہ چیز جس کو حرام کیا خدا و رسول ﷺ نے اور جس چیز سے سکوت کیا خدا اور رسول ﷺ نے وہ معاف ہے پس حرام ہے وہ چیز جو قرآن شریف میں ہے یعنی مردار جانور اور خون بہتا ہوا اور گوشت سور کا اور جو وقت ذبح کے جس پر نام غیر اللہ کا لیں بعد اس کے باقی حرام جانوروں کا نام لکھ کر آخیر میں لکھا ہے اور جو اس کے سوا ہے وہ حلال ہے۔

اب غور کرو کہ جن جانوروں کے نام لے کر حرام لکھا ہے ان کی ساری جزویں حرام ہیں۔ اور سور کا صرف گوشت حرام لکھا ہے اس واسطے کہ قرآن و حدیث میں سور کا گوشت ہی حرام ہے۔ اور سور کا نام لے کر سارے جانور کو حرام نہیں کہا۔ بلکہ قرآن اور حدیث سور کے باقی اجزا سے خاموش ہیں۔ پس ہوئے سارے اجزاء سور کی چربی اور دودھ وغیرہ ان کے نزدیک بموجب اصل بالا کے حلال ہیں اور سوائے قرآن اور حدیث کے فقہ الحدیث میں اور کوئی دلیل شرعی نہیں۔ جس سے کسی چیز کی حرمت ثابت ہو۔ خود معترض کے ستارہ محمدی کے صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے کہ موحدین کا عمل تو قرآن اور حدیث پر ہے انتہی۔ اور مقلدین کے نزدیک ہر جزو سور کے پلید اور حرام ہے بدلیل اجماعِ امت کے جیسا کہ مولانا شاہ عبد العزیز اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں تمام امت اجماع دارد براینکہ این جانور نجس العین است ہیچ جزو از

وانتفاع نباید گرفت اور فقہ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ خنزیر نجس العین ہے یعنی اس کی ساری جزویں پلید اور حرام ہیں۔ زندہ ہو خواہ مردہ کذا فی ردالمحتار وغیرہ اور اس اجماع امت کو فقہ الحدیث والوں نے اڑا دیا ہے اور صرف ادلہ شرعیہ قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں۔ جیسا کہ عرف الجادی کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے پس ان کے اصول کے مطابق سور کی چربی اور دودھ حلال ہیں کما ہو الظاہر والباہر۔ اگر کہیں تقیہ کے طور پر لکھ دیں کہ چربی اور دودھ سور کا حرام ہے تو جب تک اس کو آیت اور حدیث سے ثابت نہ کریں تب تک کسی عاقل کے نزدیک مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ خلاف ان کے اصول کے ہے۔ پس جب ان کے نزدیک دودھ سور کا پاک اور حلال ہو چکا تو معترض کس منہ سے حنفیوں پر طعن کرتا ہے۔ اور اس طعن کا جواب ان کی فقہ الحدیث میں ہے جو صفحہ ۳۲ میں من جملہ محرمات کے لکھا ہے۔

سوال نمبر۲:

جو عورتیں ہمیشہ کے لیے حرام ہیں (ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی وغیرہ) ان سے نکاح کر کے اور حلال جان کر صحبت کرلے تو حد نہیں۔ (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)

(درمختار ج ۲ ص ۴۱۴، عالمگیری ج ۲ ص ۶۷۰، ہدایہ ج ۲ ص ۴۵۷، شرح وقایہ ص ۳۳۱، کنز ص ۱۹۱، قدوری ص ۲۲۶)

جواب:

فقہ میں مثل مضمرات وقستانی و درمختار و ردالمحتار وغیرہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ماں بہن سے نکاح کر کے جماع کرنے پر حد مارنی لازم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور فقہ کے متنوں میں جو شرحوں اور فتاووں سے معتبر ہیں یہ ہی لکھا ہے۔ یہ ترجمہ ہے ان کتابوں کی عبارتوں کا پس ثابت ہوا کہ حنفی مذہب میں اس شخص پر حد کا حکم ہے کیونکہ امام اعظم کے شاگردوں کے بھی جو قول ہیں تو وہ ان کے استاد ہی سے روایت ہیں اپنی طرف سے نہیں ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا خصوصاً جب اس پر فتویٰ ہو

گیا۔ تو حنفی مذہب وہی ٹھہرا کذا فی ردالمحتار اور اگر یہ بھی کہا جاوے کہ اس پر حد نہیں آتی تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی سزا کی کوئی حد نہیں لگانی چاہیے۔ یعنی اس کو بہت سخت سزا دینی چاہیے جس کی کوئی حد نہ ہو اور کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ سزا سے بری کیا جائے یا اس کو سزا ہی نہ دی جائے مخالف کو چاہیے کہ کسی فقہ کی کتاب سے عدم حکم سزا کا ثابت کرے ورنہ توبہ کرے کیونکہ خدا کے مقبولوں پر تہمت باندھنی منتقم حقیقی کے غضب میں پڑنا ہے پس امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو محرمات ابدیہ میں سے کسی سے نکاح کر کے جماع کرنا حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے مگر ان زبانی حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک پھوپھی سے جو محرمات ابدیہ میں سے ہے بموجب استفتاء مولوی عبدالغفور محمدی شاگرد مولوی نذیر حسین دہلوی کے درست ہے جیسا کہ اسی استفتاء میں لکھا ہے کہ پھوپھی سے نکاح کرنا درست ہے مولوی قربان علی رئیس المحدثین کی کتاب تحفۃ المومنین مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۲۸۹ھ صفحہ ۱۵ کو دیکھو یہ مسئلہ ان حدیث پر چلنے والوں کا ہے اور حنفی کیا چاروں مذہب والے اہل سنت جو یقیناً آیت اور حدیث پر چلنے والے ہیں اس مسئلہ کو مردود جانتے ہیں۔ جس صاحب کو شک ہو وہ استفتاء اور فقہ الحدیث ترجمہ درر بہیہ اور روضہ ندیہ شرح عربی درر بہیہ کو دیکھ لیوے کہ ان میں خدا تعالیٰ کے حراموں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو پاک کر کے الٹا دیا ہے اور اپنے عملیات کو حنفیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

سوال نمبر۳:

کتب فقہ ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد دوم کے صفحہ ۱۵ میں اور شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۳۷ میں اور کنز الدقائق کلاں چھاپہ دہلی کے صفحہ ۱۲۵ میں اور فتاویٰ عالمگیریہ چھاپہ دہلی کی جلد سوم کے صفحہ ۱۰۷ میں اور درالمختار چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۰۴ میں اور فتاویٰ قاضی خان نولکشور کی جلد سوم کے صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ جھوٹے گواہ گذار کر بیگانی عورت کے لینے اور اس سے صحبت کرنے پر امام اعظم کے نزدیک گناہ نہیں۔

جواب:

یہ سراسر بہتان اور دروغ گوئی بیفروغ ہے کسی کتاب فقہ حنفی میں نہیں لکھا ہے کہ جھوٹے گواہ گذار کر پرائی عورت لینے منکوحۃ الغیر یامعتدۃ الغیر کے لے لینے اور صحبت کرنے سے گناہ نہیں معترض کو کتابوں کا نام لکھتے شرم نہ آئی کہ جب کوئی دین داران کتابوں کو دیکھے گا تو سائل کو شرمندہ کرے گا بلکہ سب کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ سخت گناہ اور ناروا ہے۔ کذا فی درالمختار و ردالمحتار وغیرہ بلکہ مسئلہ تو یوں ہے جیسا کہ اردو شرح وقایہ کی جلد سوم کے صفحہ ۹۶ میں لکھا ہے کہ ایک عورت فارغ حق غیر پر کسی نے جھوٹے گواہ گذار کر نکاح کا دعویٰ کیا اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہیں ہے اس نے سچے گواہ جان کر نکاح ثابت کر دیا تو اب وہ عورت مدعی کی جورو ہوگئی کیونکہ امیر المؤمنین علی ؓ نے ایسا ہی فیصلہ کیا تھا جیسا کہ امام محمد نے مبسوط میں لکھا ہے تو عورت بولی کہ آپ میرا نکاح تو کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نکاح کرنے کی کچھ حاجت نہیں دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا ہے۔ امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ وبھذا ناخذ۔ یعنی اس حدیث پر ہمارا اخذ ہے۔ کذا فی الدرالمختار و ردالمحتار وغیرہ اور یہ حدیث شرح بخاری مثل فیض الباری وغیرہ میں موجود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت امام اعظم ؒ حدیث کو مانتے ہیں اور ان کے معترض حدیث کو مردود جانتے ہیں اور ناحق بہتان آپ کی ذاتِ عالی پر باندھتے ہیں۔ خدا کو جواب دیں گے کچھ تو خدا اور رسول ﷺ کا خوف دل میں کرنا چاہیے۔ آخر ایمان بھی ساتھ لے جانا ہے یا نہیں۔ خدا کے مقبولوں پر بہتان باندھنا مسلمانوں کا کام نہیں۔

سوال نمبر۴:

فقہ کی کتاب چلپی حاشیہ شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۹ میں محیط سے نقل کر کے لکھا ہے کہ خرچی عورت زانیہ کی امام اعظم ؒ کے نزدیک حلال طیب ہے۔

جواب:

یہ بھی بہتان ہے کہ بلکہ سب دینی کتابوں میں لکھا ہے کہ بالاتفاق زانیہ کا مہر حرام ہے

معترض کو اگر عربی فارسی کتابوں کے دیکھنے کی دسترس نہیں تو ترجمہ مشارق الانوار مترجم مولوی خرم علی موحد ہی دیکھ لیوے کہ کہتے ہیں کہ خرچی زانیہ کی چاروں اماموں کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔ اور چلپی میں جو محیط سے حلال ہونا لکھا ہے تو وہ خرچی مقررہ زانیہ کی بابت نہیں ہے وہ تو یوں ہے کہ زانی نے زانیہ سے کچھ مقرر نہیں کیا۔ اور بلاشرط دے دیا ہے تو گویا یہ مہر البغی نہ ٹھہرا کیوں کہ مہر تو مقرر کا نام ہے اس لیے اس کو مباح لکھا ہے اس پر بھی بہت سے معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بھی حلال نہیں کہ معروف مثل مشروط کے ہے۔ جیسا کہ صاحب در مختار منتقی میں اور سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں اور علامہ سید ابن عابدین ردالمحتار میں لکھتے ہیں۔ پس ضعیف غیر مفتی بہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کر کے اس پر طعن کرنا منتقم حقیقی کے غضب میں پڑنا ہے۔

سوال نمبر۵:

فقہ کی کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار چھاپہ نولکشور کے جلد دوم کے صفحہ ۲۱۶ میں لکھا ہے کہ حد نہیں مرد غیر مکلف کے زنا کرنے سے ساتھ عورت مکلفہ کے نہ مرد پر نہ عورت پر اور حد نہیں اس عورت کے ساتھ زنا کرنے سے جس کو زنا کرنے کے واسطے مزدوری دی گئی۔

جواب:

غیر مکلف بالاتفاق مرفوع القلم ہے اس پر حد کیوں کر جاری ہو عرف الجادی کے صفحہ ۸۳ میں مجتہد العصر کے خلف الرشید لکھتے ہیں وزوال عقل رافع قلم تکلیف ہست جب عاقل کی عقل کے زائل ہونے نے قلم تکلیف کو اٹھا دیا تو جس کو اب تک عقل آئی ہی نہیں تو وہ کیونکر قلم تکلیف کے نیچے آ کر حد مارا جاوے۔ اور عورت اس لیے حد سے محفوظ ہے کہ زنا نام مرد کی وطی کا ہے غیر ملک میں۔ اور نابالغ مرد نہیں کہ اس کا زنا متصور ہو۔ پس عورت سے بھی وہ زنا نہیں ہوا جسے وہ حد ماری جاتی جب اصل پر حد نہ ہوئی تو تابع پر کیونکر ہو کذا فی ردالمحتار والنہر وغیرھما۔ اور شبہوں سے حد کا دفع کر دینا عمل بالحدیث ہے۔ اگر ہماری بات کا اعتبار نہیں تو دیکھو تمہارے مجتہد العصر کے فرزند نہج مقبول کے صفحہ ۸۴ میں لکھتے ہیں۔ وساقط میشود

حد بشبهات محتملة۔ اور عرف الجادی کے صفحہ ۲۱۵ میں بھی اس امر کو کئی حدیثوں سے
ثابت کیا ہے اور یہ دونوں کتابیں وہابیوں کی فقہ الحدیث ہیں۔ باقی رہا مسئلہ عورت کا جس کو
زنا پر مزدوری دی گئی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ اسی درمختار میں لکھا ہے والحق وجوب
الحد۔ حق یہ ہے کہ حد واجب ہے۔ ردالمحتار اور فتح القدیر اور نہر الفائق میں بھی یوں
ہی لکھا ہے پس اصل کتابوں کے دیکھنے سے یہ امر بخوبی ثابت ہوسکتا ہے صرف بہتان
باندھنے سے کام نہیں چل سکتا۔ خدا کے غضب سے ڈرنا چاہیے۔

سوال نمبر ۶:

کتب فقہ ردالمحتار شرح در المختار چھاپہ دہلی کی جلد سوم کے صفحہ ۱۵۶ میں لکھا
ہے کہ جس کو خوف زنا کا ہو اس کو مشت زنی کرنی یعنی جلق کرنا واجب ہے۔

جواب:

کتب معتبرہ حنفیہ میں مشت زنی کو حرام اور مکروہ تحریمہ لکھا ہے جب شہوت رانی کے واسطے
ہو۔ بدلیل حدیث ناکح الید ملعون یعنی جو سنتِ موکدہ نکاح کو چھوڑ کر ہاتھ سے ہی شہوت
رانی کرے تو ملعون ہے۔ پس اگر کسی کو غلبہ شہوت کا ہو اور جورو اور کنیز نہیں رکھتا ہے پس ایسی
حالت میں دفع شہوت اور زنا سے بچنے کی نیت سے کرے تو اس میں کچھ خوف نہیں۔ کذا
فی الدر المختار وردالمحتار۔ مسئلہ تو اس طرح پر تھا مگر ان بہتانیوں کو شرم نہیں آئی
کہ جب ان کی کتابوں میں بھی یہی مسئلہ موجود ہے تو صرف حنفیوں پر اعتراض کرنا عین عناد
ہے بزرگانِ دین سے دیکھو نواب صاحب کے فرزند کی عرف الجادی صفحہ ۲۱۴ میں لکھا ہے کہ
مشت زنی اور چھید کنی اور دیواروں اور پتھروں کے سوراخوں میں دخول کر کے حاجت کے
وقت منی کے انزال کو روا لکھتے ہیں اور نگاہ اور نظر بازی سے بچنے کے وقت ان دونوں کاموں
کو مستحب بلکہ واجب لکھا ہے۔ پس یہ اعتراض پہلے وہ اپنی فقہ الحدیث پر کرلیں بعد اس کے
حنفیوں پر اعتراض کریں۔

سوال نمبر ۷:

فقہ کی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کی جلد اول کے صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ تسکین کی نیت سے
مشت زنی کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔

جواب:

اس کا جواب بھی سوال نمبر ۶ کے جواب کے مطابق ہے۔

سوال نمبر ۸:

اسی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کی جلد اول صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ جب کہ سوئی ہوئی عورت اور
مجنونہ عورت سے صحبت کرے خاوند اس کا تو ان دونوں پر روزے کی قضا ہے نہ کفارہ اور زفر
امام اعظم کے شاگرد نے کہا ہے کہ نہیں ٹوٹا روزہ ان دونوں کا۔

جواب:

مسئلہ یوں ہے کہ روزہ دار عورت سوئی پڑی یا دیوانی سے اس کے خاوند روزہ دار نے جب
جماع کیا تو ان دونوں عورتوں پر قضا ہے نہ کفارہ کیونکہ جان بوجھ کر روزہ توڑنے سے کفارہ
ہے اور ان عورتوں نے جان بوجھ کر روزہ نہیں توڑا۔ فقہ حنفی سے قطع نظر تمہاری فقہ الحدیث
کے صفحہ ۱۷ میں دیکھو یوں لکھا ہے کہ جو کوئی روزہ جان بوجھ کر توڑ ڈالے تو اس پر کفارہ ہے
پس حنفیوں کا مسئلہ عین تمہاری فقہ الحدیث کے ہے۔ اور امام زفرؒ کا قول بھی عین مطابق
تمہاری فقہ الحدیث کے ہے کیونکہ اسی صفحہ میں لکھا ہے کہ جاتا رہتا ہے روزہ کھانے پینے
صحبت کرنے سے جان بوجھ کر پس بتاؤ کہ ان دونوں عورتوں نے کب جان بوجھ کر جماع کیا
کہ ان کا روزہ ٹوٹے۔ پس امام زفرؒ کے قول پر اعتراض کرنا اپنی فقہ الحدیث پر اعتراض
کرنا ہے۔ باقی رہا مرد۔ پس اس پر عمداً جماع کرنے سے کفارہ بھی لازم ہوا۔ کذا فی
ردالمحتار والاشباہ وغیرہ مگر وہابیوں کے مجتہد العصر روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۰۰ میں

ایک ایسی روایت نقل کرتے ہیں جسے عمداً کھانے پینے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ وہ عبارت یہ ہے **وقد قیل ان الکفارۃ لا یجب علی من افطر عامدًا بای سبب بل بالجماع فقط ولکن الرجل انما جامع امرتہ فلیس فی الجماع فی نہار رمضان الا ما فی الاکل والشرب لکون الجمیع حلالا لم بحرم الا بعارض الصوم وقد وقع فی روایۃ من الحدیث ان رجلا افطر ولم ید الجماع۔** روضہ ندیہ صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ لکھنو پس تمہاری فقہ الحدیث میں عمداً جماع کرنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ تو حنفیوں کے ان مسائل پر اعتراض کرنا جو عین قرآن اور حدیث کے مطابق ہیں۔ دور از انصاف ہے۔ دراصل اپنے عملیات کو چھپانے کے لیے پیش قدمی کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۹:

اسی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کے جلد اول کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے۔ اگر کوئی چوپائے زندہ یا مردہ میں دخول کرے اور اس کو انزال نہ ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جواب:

جان بوجھ کر جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ سوال نمبر ۸ کے جواب میں تمہاری فقہ الحدیث کے صفحہ ۱۶ سے لکھا گیا ہے۔ اور روضہ ندیہ صفحہ ۹۹ میں ہے **وھکذا الجماع لا خلاف فی انہ یبطل الصیام اذا وقع من عامدا** پس چوپائے یا مردے میں دخول کرنے کو جماع مفطر سمجھنا سخت بے علمی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کام گناہ کے ہیں جیسا کہ تمام فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

سوال نمبر ۱۰:

کتب فقہ فتاویٰ قاضی خاں چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ جب کہ جماع کرنے کے ساتھ چارپایہ کے نہ انزال ہو یا جماع کرے عورت سے سوائے فرج کے اور نہ انزال ہو۔ تو ان عورتوں کا روزہ نہیں ٹوٹتا اگر انزال ہو تو روزے کی قضا ہے نہ کفارہ۔

جواب:

اس کا جواب بھی سوال نمبر ۹ کے جواب کی طرح ہے۔ اور سوائے فرج کے دخول اور مشت زنی کے سوائے جماع سے روزے کا نہ ٹوٹنا فقہ الحدیث کی عین منشاء ہے۔ پہلے اپنی فقہ الحدیث پر اعتراض کرلو پھر فقہ حنفی پر اعتراض کرنا۔ اور بنی آدم قابل شہوت زندہ سے جماع کرنے سے کفارہ لازم ہے۔ بسند حدیث جو صحیحین وغیرہ میں مروی ہے۔ فقہ الحدیث کے روضہ ندیہ میں بھی وہی سند مذکور ہے پس بدوں حکم قرآن اور حدیث کے کسی پر کفارہ ثابت کرنا بموجب اقرار اپنی فقہ الحدیث کے جبار و قہار کے غضب میں پڑتا ہے۔

سوال نمبر ۱۱:

کتب فقہ ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد اول کے صفحہ ۵۷۵ میں اور شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۱۸۳ میں کنز الدقائق کلاں مطبوعہ دہلی احمدی کے صفحہ ۱۹۲ میں لکھا ہے ذمی جزیہ دینے والا اگر ہمارے پیغمبر ﷺ کو گالیاں دے تو اس کا امام اعظم اور ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عہدِ ذمی نہیں ٹوٹتا اس کو قتل نہ کرنا چاہیے۔

جواب:

بہت سی فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر ذمی اعلانیہ طور پر سرور عالم ﷺ کو گالی دے اور اس کو اپنی عادت ٹھہرا لے تو وہ قتل کیا جائے خواہ عورت ہی ہو۔ اور اکثر حنفیوں کا اس پر فتویٰ ہے دیکھو برہانی تحت کلمات کفر مندرجہ کتاب مالا بدمنہ صفحہ ۱۷۵ خود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حنفی مذہب کا تحریر کردہ ہے۔ اس قتل کو کتاب سیر کبیر میں ثابت فرمایا ہے **کذا فی الدر المختار و ردالمحتار وغیرھما** حنفی کیا چاروں مذہب والے اہل سنت والجماعت آنحضرت ﷺ کی گالی اور ہتکی کو موجب کفر اور قتل کا جانتے ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں مومنین اصحاب کبار کو تادیب کے واسطے دائمی حکم فرمایا۔ **یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا صوتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم**

لبعض ان تحبط اعمالك وانتم لا تشعرون اے ایمان والو! نبی ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند مت کرو اور ان سے اس طرح باتیں نہ کرو جس طرح تم آپس میں کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

سوال نمبر ۱۲:

کتب فقہ غایۃ الاوطار کی جلد سوم کے صفحہ ۸۵ میں لکھا ہے کہ اگر مسلمان نے وکیل کیا ذمی کو شراب یا سور کے بیچنے یا خرید کرنے کے واسطے تو یہ توکیل اور یہ بیع وشرا امام اعظم کے نزدیک صحیح ہے۔

جواب:

جب کہ وہابیوں کی فقہ الحدیث میں شراب اور چربی خنزیر اور خون پاک ہے تو اگر اس کی وکالت اور بیع اور شرا بھی حلال ہو تو کیا مضائقہ حنفی مذہب پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے یہ بہانے صرف اپنے واسطے حلال کرنے کے واسطے ہیں۔ اور درپردہ خود ان باتوں کے معتقد ہیں اور از روئے عناد کے مذہب حنفی کا نام بدنام کرتے ہیں اور پوری عبارت کی تحریر نہیں کرتے جس سے کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ اور اس عبارت عربی کے آگے کا فقرہ مع اشد کراہت لکھتے ہیں شاید قلم ٹوٹ گئی ہوگی کہ آپ نے اس کو دیدہ ودانستہ چھوڑ دیا۔ اور جو الفاظ رفع اعتراض کرتے تھے ان کو بالکل ہضم کر گئے تاکہ بغض وعداوت قلبی جو امام صاحب سے رکھتے ہیں اس کے ادا کرنے میں کچھ کسر باقی نہ رہے۔ اگر لکھ دیتے تو اعتراض کیوں ہوتا۔ یہاں تو آپ نے بعینہٖ لا تقربوا الصلاۃ پر عمل کیا جسے آپ لوگوں کی دین داری اور ایمان داری دینی معاملات میں بخوبی ثابت ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ ایسی توکیل اور بیع اور شراء اگرچہ امام صاحب کے نزدیک ظاہراً جائز ہے مگر سخت ترکہ کراہت یعنی مکروہ تحریمی کے ساتھ وہ بھی تو اس کو حلال طیب نہیں فرماتے مکروہ تحریمی کے ساتھ جائز کرتے ہیں گویا یہ ناجائز ہی ہوا۔ پس اس پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔ اور اعتراض جاتا رہا۔

سوال نمبر ۱۳:

منیۃ المصلی فقہ حنفی کی کتاب جو لاہور میں طبع ہوئی ہے میں لکھا موجود ہے کہ خنزیر کا چمڑا دباغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے اور بیع اس کی جائز ہے۔

جواب:

کل حنفی مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کسی جزو سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ خواہ مردہ ہو خواہ زندہ کذا فی ردالمحتار اور فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ سگ وخنزیر ومیت کافر نجس العین کے شود طاہر پس حنفی مذہب میں اس کی کل اجزا حرام ہیں۔ اور نیز اس کا جواب سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا ہے۔ کہ غیر مقلدین لوگ اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو استعمال کرنے کے واسطے حنفیوں پر الزام دیتے ہیں۔ اور جب یہ امر ان کے علماء نے اپنی کتابوں میں ثابت کیا ہے تو اس الزام سے بری ہونے کے لیے حنفیوں پر بہتان باندھنا شروع کر دیا۔ اور کتاب منیۃ المصلی فصل النجاست میں صاف صاف لکھا ہے کہ خنزیر اور آدمی کی کھال اگر ذبح بھی کی جائے تو پاک نہیں ہوتی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ظاهر فی الروایۃ لا یطهر پس روایت مفتی بہ کو چھوڑ کر روایت غیر مفتی بہ کو لینا دین سے چشم پوشی ہے۔ جس سے سائل کی لاعلمی اور بددیانتی ثابت ہوتی ہے ایک فقرہ کتاب کا لے کر اعتراض کر دیا اور مقدم مؤخر اور اصل مسئلہ کو چھوڑ دیا فافہم۔

سوال نمبر ۱۴:

معتبر کتاب ہدایہ مطبوعہ مصطفائی کے صفحہ ۳۹ جلد دوم میں موجود ہے کہ بال خنزیر کے پاک ہیں اس سے نفع اٹھانا درست ہے۔

سوال نمبر ۱۵:

کتب فقہ غایۃ الاوطار کی جلد اول کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے کہ کتے کی کھال کا جانماز اور ڈول بنانا جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۶:

اسی کتاب کی جلد سوم کے صفحہ ۱۰۶ میں لکھا ہے کہ کتے کو گود میں اٹھا کر یا بغل میں دبا کر نماز پڑھنی درست ہے۔

جواب:

ان سب کا جواب سوال نمبر ۱۱ اور نمبر ۱۳ میں آ چکا ہے ان سب کا ایک ہی جواب ہے یہ سب چیزیں فقہ الحدیث والے نے جائز کر دی ہیں حنفی مذہب پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۷:

معتبر کتب حنفیہ ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ نولکشور کی جلد سوم کے صفحہ ۹۶ میں لکھا ہے کہ درمیان مسلمان اور حربی کے دار الحرب میں مسلمانوں کو بیاج لینا منع نہیں ہے۔

جواب:

وہابی مذہب میں ثابت ہے کہ مسلمان دار الحرب میں جا کر حربیوں کی مرضی سے بیاج لے سکتا ہے۔ عرف الجادی صفحہ ۷۰ میں دیکھو لکھا ہے کہ مال حربیوں کے اصل میں مباح ہیں۔ ہر شخص کو اس کا لے لینا جس طرح سے ہو سکے جس چیز سے ہو سکے روا ہے۔ حنفیوں کی دلیل سنو روضۃ الاحباب و مدارج النبوۃ وغیرہ بہت سی دینی کتابوں سے ثابت ہے کہ جب اتری آیت **الم غلبت الروم** کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار نابکار سے فرمایا کہ چند سال میں روم فارس پر غالب آوے گی اور کافروں کی خوشی غم سے بدل جاوے گی۔ ابی بن خلف نے آپ کو جھٹلایا حتی کہ دس اونٹ کی شرط باندھی گئی۔ اور آنحضرت ﷺ کے امر سے دس اونٹ سے ایک سو اونٹ تک نوبت پہنچی۔ اگر نو برس میں روم غالب آئے تو ایک سو اونٹ ابوبکر رضی اللہ عنہ ابی بن خلف سے لے لیں گے۔ ورنہ ایک سو اونٹ اس کو خود دیں گے۔ تو جنگ بدر یا صلح حدیبیہ میں مدت مقرر کے اندر ہی اندر فتح روم کی خبر آ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

ایک سو اونٹ اس سے لے کر حضور ﷺ کی خدمت مبارک میں آئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو خدائے پاک کی راہ میں بانٹ دو۔ گویا کہ شکریہ اس نعمت کا ہے کہ مسلمانوں کا بول بالا ہوا پس اس واقعہ کی سند سے امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ دار الحرب میں کفار سے عقود فاسدہ وغیرہ کے جائز ہے اور نیز اس کی سند میں فقہ کی کتابوں میں حدیث مرسل بھی موجود ہے جس کا جی چاہے تفصیل وار شرح ہدایہ وغیرہ میں دیکھ لے پس ثابت ہوا کہ حنفیوں کا یہ مسئلہ موافق حدیث کے ہے اور وہ بیاج کہ شریعت میں ناروا ہے حنفیوں کے نزدیک بھی قطعی حرام ہے۔ البتہ ان نامی حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک بہت سی قسم کے بیاج جو چاروں مذہبوں میں حرام ہیں حلال ہیں۔ جیسا کہ روضہ ندیہ اور عرف الجادی کے باب ربا کے دیکھنے سے ثابت ہے کہ محرمات شرعیہ کو حلال بنا دیا ہے۔

سوال نمبر ۱۸:

ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ نولکشور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۳۱ میں اور شرح وقایہ عربی چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۴۲ میں لکھا ہے کہ قوت حاصل کرنے کے لیے مذہب حنفیہ کے نزدیک اس قدر شراب پی لینی جائز ہے کہ نشہ نہ کرے۔

جواب:

حق تعالیٰ فرماتا ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین حنفیوں کی تو کسی کتاب میں بھی نہیں لکھا ہے کہ اختیار سے شراب کا پینا جائز ہے۔ وہاں اصل عبارت تو یہ ہے وعصیر العنب اذا طبخ حتی ذهب ثلثاه ثلثه حلال وان اشتد یعنی شیرہ انگور کا جب پکایا جاوے یہاں تک کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی رہ جائے تو حلال ہے اور اگرچہ وہ سخت ہو جائے اس میں شراب کا پینا کہاں سے ثابت ہوا۔ انگور کے شیرہ کا ذکر ہے۔ سو یہ مطابق ان احادیث کے ہے جو عینی نے شرح کنز کی کتاب الاشربہ میں لکھا ہے۔ دیکھو صفحہ ۳۵۳ مطبوعہ ناصری اور امام محمد نے موطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ جلد سوم کے صفحہ ۱۵۶ میں ہدایہ سے اس کو لکھا ہے۔ البتہ ان موحدوں کی کتاب درربہیہ اور روضہ ندیہ سے ثابت ہے کہ شراب پاک اور خون اور بول کل حیوانات کا پاک ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور استفتاء عبدالغفور محمدی میں لکھا ہے کہ سور کی چربی اور خون پاک ہے تو خواہ اب ان کو کوئی کھاوے یا پیوے اور منی اور رطوبت فرج عورت پاک ہے اب خواہ اس کو شکر میں لپیٹ کر کھاوئے۔ یا زبان سے چاٹے سب کچھ درست ہے اور پاک چیزوں کی اجازت قرآن میں ہے کلوا من الطیبات کھاؤ پاک چیزیں۔ یہ مسئلے نامی محمدیوں کے ہیں اور حنفی کیا چاروں مذہب والے ان مسائل کو مردود جانتے ہیں۔ پس اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو حنفیوں کی طرف منسوب کرنا باری تعالیٰ کے غضب میں پڑنا ہے۔ ہاں اتنا تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حالت بھوک اور اضطرار میں محرمات کا استعمال علی قدر ضرورت روا ہے اور نیز صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے استسقاء والوں کو حالت اضطرار میں اونٹوں کے بول پینے کا امر فرمایا ہے پس ایسا ہی حنفی کتابوں میں لکھا ہے کہ شراب قطعی حرام ہے۔ اور بھاری پلیدی ہے مثل بول کے اس کے حلال جاننے والا کافر ہے۔ اور حالتِ اختیار میں اسے نفع اٹھانا حرام ہے۔ مگر جب کوئی پیاسا مرتا ہے یا گلے میں لقمہ اٹک گیا ہے اور بدون شراب کے کوئی پتلی شے پاس نہیں ہے۔ جس سے جان بچے تو اب جان کے بچاؤ کے واسطے قدرِ ضرورت تک شراب کا پینا جائز ہے کذا فی الدر المختار وردالمحتار وغیرہ۔ اور سب دینی کتابوں میں لکھا ہے کہ مضطر کو حالتِ اضطرار میں جس قسم کی حرام چیز موجود ہو۔ اس کا کھا پی لینا روا ہے کذا فی التفسیر العزیزی وغیرہ۔ پس جو شخص حنفیوں کے اس مسئلہ پر اعتراض کرتا ہے، وہ قرآن اور حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔ اور ان کو برا جانتا ہے۔

سوال نمبر ۱۹:

کتب فقہ ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد دوم کے صفحہ ۳۸۲ میں اور ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ

نولکشور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۳۴ میں اور سوائے اس کے اور کتب فقہ حنفیہ میں لکھا ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا اور اس کا کھانا پینا جائز ہے۔

جواب:

آنحضرت ﷺ سے صحیح مسلم کی حدیث میں سرکہ کی تعریف آئی ہے کہ نعم الادام الخل رواہ مسلم یعنی سرکہ عمدہ سالن ہے اور حنفیہ کا ہی مذہب نہیں ہے بلکہ امام اوزاعی اور لیث کا بھی یہی مذہب ہے۔ پس شراب بھی جب سرکہ بن جائے یا بنائی جائے تو اس کے استعمال میں کون سی قباحت ہے۔ بلکہ وہ سرکہ بھی عمدہ سالن ہے۔ اور نیز یوں بھی حدیث میں وارد ہے کہ شراب کا سرکہ اچھا ہوتا ہے کہ خیر خلکم خل خمرکم شرح مشکوٰۃ جلد ثالث صفحہ ۱۷۵ مطبوعہ مصطفائی دہلی اور بھی آیا ہے کہ مردار کی کھال کو دباغت پاک کر دیتی ہے جس طرح شراب کا سرکہ حلال ہو جاتا ہے۔ کذا فی العینی۔

پس جو شخص ان حدیثوں کے مضمون کو برا سمجھتا ہے وہ اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتا ہے۔ اور حدیث صحیح کا منکر ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ غیر مقلدین کی فقہ الحدیث مقبولہ اور معمولہ کتاب کی رو سے شراب تو پاک اور طیبات سے ہے پھر وہ کیوں حنفیوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کے مجتہد العصر نواب سید محمد صدیق حسن خاں صاحب بہادر روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۱۱ اور صفحہ ۱۲ میں شراب کی پاکی کو بڑے مبالغے سے ثابت کر چکے ہیں اور ان کے امام الحدیث شیخ الاسلام سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولوی عبدالغفور محمدی استفتاء مرقومہ بالا میں سور کی چربی اور منی کے پاک ہونے سے کھانے اور چاٹنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ بحکم آیت کلوا من الطیبات پس ان کے نزدیک تو خود شراب ماکولات اور مشروبات سے ہوگئی۔ پس ان کی فقہ الحدیث میں جو لکھا ہے اور حرام ہے کہ سرکہ بنانا شراب کا سراسر خلاف ان کے اصول کے ہے کیونکہ روضہ ندیہ میں جواز وعدم جواز دونوں پر حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور ان کے نزدیک اختلاف سے اصلی حکم میں کچھ خلل نہیں پڑتا ہے جیسا کہ روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۰ میں ثابت

ہے۔اور اصل میں ہر شے حلال ہے جب تک اس کی اتفاقی حرمت قرآن اور حدیث سے
ثابت نہ ہو۔ چنانچہ روضہ ندیہ کے صفحہ ۲۰۹ میں لکھا ہے۔پس جب بعض اصحاب اور اہل
بیت اطہار سے شراب کے سرکہ بنانے کا جواز ثابت ہوا جیسا کہ صفحہ ۲۲۲ میں ہے۔تو ثابت ہوا
کہ عدمِ جواز اس کا ابتداء اسلام میں تھا۔ چنانچہ ابتداء میں استعمال ظروف شراب سے ممانعت
تھی۔ پھر جب مسلمان شراب سے بکلی ممتنع ہوگئے تو ممانعت رفع ہوگئی فافهم و انصف۔ پس
شراب کو سرکہ بنانے اور کھانے کو حرام کہنا حلال کو حرام کہنا ہے جیسا کہ درر بہیہ اور روضہ ندیہ نے
کئی حرام اور نجس چیزوں کو حلال اور پاک کردیا ہے نعوذ باللہ من ذٰلک۔

سوال نمبر ۲۰:

فتاویٰ قاضی خاں چھاپہ نولکشور کی جلد اول کے صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے کہ حرام جانور کتا، بھیڑیا
وغیرہ اگر بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے تو کھال اس کی پاک ہے بلا دباغت اور سور کا چمڑہ
دباغت دینے سے پاک ہے۔

جواب:

یہ بھی بہتان ہے حنفیوں کی کسی کتاب میں ایسا نہیں لکھا ہے بلکہ برخلاف اس کے مولانا علی
قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں لکھا ہے کہ حرام چیز پر بسملہ پڑھنی کفر ہے۔اور کتاب احسن
المسائل ترجمہ اردو کنز الدقائق مطبوعہ طبع گلزارِ محمدی لکھنو صفحہ ۲۶۸ میں اس طرح لکھا ہے
جس جانور کا کھانا درست نہیں ذبح کرنے سے اس کا گوشت اور پوست پاک ہوجاتا ہے
اگرچہ کھانا حرام ہے لیکن آدمی اور سور کو اگر ذبح بھی کریں ان کا چمڑہ اور گوشت پاک نہیں
ہوگا اور انواع بارک اللہ صفحہ ۳۸۴ مطبوعہ مطبع وکٹوریہ لاہور میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور یہ عین
مطابق حدیث اذا دبغ الاھاب فقد طھر کے ہے۔کہ مردار کا چمڑہ دباغت سے پاک
ہوجاتا ہے۔اس پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔اگرچہ حنفیوں کے عقائد کے مطابق بسم اللہ کی
تاثیر اس قدر ہے کہ حرام جانور کی کھال پاک ہوگئی۔اور اس کا صرف استعمال کرنا از روئے

حدیث کے جائز ہوا لیکن ان نامی موحدوں کے نزدیک کافر کا ذبح کیا ہوا بغیر بسملہ کے کھا
لینا جائز لکھا ہے۔حالانکہ کافر کا ذبح کیا ہوا نجس العین ہے۔جیسا کہ درر بہیہ فقہ الحدیث کی
عربی شرح روضہ ندیہ میں لکھا ہے۔لعدم نجاسة ذوات المشركين كما ورد فی
اكل ذبائحهم و اطعنهم اور عرف الجادی کے صفحہ ۱۱ میں ہے کہ ذبائح اہل کتاب و دیگر
نزد وجود ذبح بر بسملہ یا نزد اکل آن حلال ست حرام و نجس نیست یعنی مشرک و کافر کی کٹھی
اگر بسملہ سے ہے حلال ہے اگر کافر بسملہ کے بغیر ہی ذبح کرے تو اس گوشت کو مسلمان
بسملہ پڑھ کر کھالے حلال ہے۔وہ ذبیحہ جو بحکم قرآن اور حدیث حرام تھی تمہاری فقہ الحدیث
نے حلال کردی باقی رہا یہ کہ نہج مقبول من شرائع الرسول کے صفحہ ۲۷ میں کافر اور مشرک کے
ذبیحہ کے حلال ہونے کی یہ دلیل لکھی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ نومسلم
لوگ گوشت لاتے ہیں معلوم نہیں کہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیتے ہیں یا نہیں۔ یہ گوشت
کھائیں یا نہ۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم خدا کا نام لے کر کھالیا کرو۔یہ حدیث بخاری وغیرہ
نے روایت کی ہے پس آپ کے دوبارہ بسملہ کے حکم کرنے سے ثابت ہوا کہ جس ذبیحہ پر
بسملہ نہ کریں وہ حلال ہے۔ذابح مسلمان ہو یا کافر۔ یہ ترجمہ ہے شرائع الرسول کا۔سبحان
اللہ و بحمدہ ایسے تصرفات بیجا کرکے کتابیں لکھنی اور پھر ان کا نام شرائع الرسول رکھنا کیا ان غیر
مقلدین کا دین ہے۔اور پھر اعتراض حنفیوں پر کرتے ہیں حالانکہ ایسے خرافات ان کی
کتابوں میں درج ہیں۔کوئی مسلمان ان کے فریب نہ آئے۔اور بڑے بڑے محدث اور
مفسر دین دار پرہیزگار لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس شک سے شاید وقت
ذبح کے بسملہ پڑھی گئی ہے یا نہیں یقین اس امر کا کہ مسلمان بسملہ ہی سے ذبح کرتے ہیں
گو نومسلم ہی ہوں زائل نہیں ہوتا اس گوشت پر مثل دوسرے حلال گوشتوں کے بسملہ پڑھ کر
کھاؤ۔اور فی الحقیقت یہی مطلب ہے۔اس میں کافروں اور مشرکوں کے ذبح کرنے کا تو
اشارہ کنایہ بھی نہیں ان کے نزدیک کافر و مشرک کی بسملہ نے یہ تاثیر کردی کہ وہ ذبیحہ حلال
ہوگئی۔مولوی غلام علی امرتسری نے پہلے صفحہ تحقیق الکلام میں حنفی ،شافعی ،مالکی ،حنبلی ،چشتی ،

قادری، نقشبندی، سہروردی، سب کو بدعتی لکھا ہے۔ اور پھر صفحہ ۹ میں مشرک فی الرسالت اور
مشرک فی التوحید لکھا ہے۔ اور پھر صفحہ ۳۸ میں ان کو کافر لکھا ہے پس جو لوگ دینِ اسلام کے
ایسے پکے دشمن ہیں کہ مقتدائے دین جن کی تعریفیں صدہا دینی کتابوں میں درج ہیں ان کو
کافر و مشرک بنایا ہے تو اگر ان کے نزدیک کافر کی کٹھی جائز ہوئی کیونکہ وہ بھی شرعاً حرام اور
نجس العین ہے تو ان کے اصول کے مطابق کتے اور بھیڑیے پر بسملہ کا پڑھ لینا کیا بلکہ ان کا
گوشت کھانا بھی حلال ہوا۔ کیونکہ قرآن میں صرف گوشت خنزیر کا حرام لکھا ہے۔ پھر وہ حنفی
مذہب پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۲۱:

اسی کتاب کی جلد چہارم کے صفحہ ۳۹۴ میں اور فتاوٰی سراجیہ کی جلد سوم کے صفحہ ۳۱ میں لکھا
ہے کہ اگر پیشاب کے ساتھ قرآن لکھ لے تو مضائقہ نہیں۔

سوال نمبر ۲۲:

پھر اس کی کتاب فتاوٰی قاضی خاں چھاپہ نولکشور کی جلد چہارم میں اور فتاوٰی سراجیہ جو فتاوٰی
قاضی خاں کے حاشیہ پر چڑھا ہوا ہے اس کی جلد سوم کے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر مردار
جانور کی کھال پر قرآن لکھ لے تو بھی مضائقہ نہیں۔

سوال نمبر ۲۳:

ردالمحتار شرح در المختار چھاپہ دہلی کی جلد اول کے صفحہ ۱۴۰ میں لکھا ہے یعنی جو
روایت نہایہ کا خلاصہ ہے نقل کیا ہے اس کو صاحب ہدایہ نے تجنیس میں پس کہا اگر کسی کی
نکسیر پھوٹے پس لکھے سورہ فاتحہ کو ساتھ خون کے اپنی پیشانی اور اپنی ناک پر تو جائز ہے
واسطے شفا کے اور ساتھ پیشاب کے بھی سورہ فاتحہ کا لکھنا جائز ہے اور اگر جانا جاوے کہ اس
(یعنی حرام) میں شفا ہے تو مضائقہ نہیں۔

مفصلۂ بالا تینوں سوالات کا ایک ہی جواب آوے گا۔

جواب:

مرتے کی جان بچانی اور حالتِ اضطرار کا یہ مسئلہ ہے اور حالتِ اضطرار میں قرآن مجید اور
صحیح حدیثوں سے بقدر ضرورت حرام اور پلید چیزوں کے کھا لینے اور دوا کے طور پر برت لینے
کی اجازت ہے جیسا کہ اوپر بھی مذکور ہو چکا۔ اور باوجود اس کے یہ مسئلہ ضعیف ہے۔ فقہ کے
متنوں اور شرحوں میں جو بہت معتبر ہوتی ہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور فتاووں میں تو ضعیف
روایتیں بھی ہوتی ہیں حنفی مذہب پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور کیونکر اعتراض آئے جب
سارے فقہ کے متنوں اور شرحوں بلکہ فتاووں میں بھی لکھتے ہیں کہ آدمی اور حیوانات حرام
گوشت کا بول اور خون جاری پلید بھاری ہے جس کے لگنے سے کپڑا بدن جگہ پلید ہو جاتی
ہے۔ کذا فی الدرالمختار وغیرہ اور حنفی کیا سارے اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کا اس قدر
ادب ہے کہ اس کو بے وضو ہاتھ میں لینا درست نہیں۔ کذا فی جامع الکتب اور قرآن مجید کے
سکی جیسے قاذورات میں ڈال دینا کفر ہے۔ کذا فی شرح فقہ اکبر وغیرہ البتہ ان نامی حدیث
کے چلنے والوں کے نزدیک سوائے خون حیض و نفاس کے سارے جاری خون اور تمام
حیوانات کے بول و بزار پاک ہیں دررہیہ جو ان کی فقہ الحدیث ہے۔ اس کی عربی شرح
روضہ ندیہ میں ان کے مجتہد العصر نواب صدیق حسن خاں صاحب بہادر صفحہ ۸، ۹، ۱۰ میں ان
چیزوں کو پاک لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے پس جن کے نزدیک سور کتے،
ریچھ وغیرہ کے بول و بزار و خون پاک ہیں۔ ان کے نزدیک ان چیزوں سے قرآن مجید کا
بھی لکھ لینا جائز ہوا۔ اور عرف الجادی جو نواب صاحب نے اپنے فرزند ارجمند کی کتاب تصحیح
کر کے بھوپال میں چھپوائی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے۔ یعنی بے وضو قرآن کو ہاتھ
لگانا روا ہے۔ اور رسالہ تحریق اوراق میں جو قرآن شریف کے جلانے کے باب میں لاہوری
امرتسری وغیرہ موحدوں کے اتفاق سے چھپا ہے اور مولوی غلام علی اور مولوی عبدالجبار اور
مولوی احمد اللہ امرتسریاں اس میں مقدمۃ الجیش ہیں اس کے صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ کسی عذر

سے قرآن شریف کا قاذورات میں ڈال دینا کفر نہیں رخصت ہے۔ پھر صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی اور چیز نہ ہو تو قرآن شریف کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اونچے مکان سے کھانا اوتار لینا روا ہے۔ اور نیز حاجت کے وقت قرآن شریف کو کشتی میں نیچے ڈال لینا روا ہے۔ یہ مسئلے ان نامی حدیث پر چلنے والوں کے ہیں اور حنفی ان کو مردود سمجھتے ہیں۔ باقی رہا چمڑا مردار کا سو بحکم حدیث شریف اذا دبغ الاهاب فقد طهر یعنی چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس پاک چیزوں پر قرآن شریف لکھنے کی کیا قباحت ہے۔ البتہ ان کی فقہ الحدیث کی رو سے چمڑا کیا مردار کا گوشت اور گوہ موت بھی پاک ہے۔ روضہ ندیہ کے صفحہ ۸، ۹، ۱۰ کو دیکھو۔

اور اگر کسی کی نکسیر پھوٹے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے کہ والذی رعف فلا یرقا دمه فاراد ان یکتب بدمه علی جیفة شیئاً من القرآن قال ابو اسکاف یجوز قیل لو کتب بالبول قال لو کان فیه شفاء لا باس فیه قیل لو کتب علی بلد میتة قال ان کان فیه شفاء جاز سو یہ تینوں صورتیں مطابق آیت انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما احل به لغیر الله فمن اضطر غیر باغ فلا اثم علیه کے ہیں کیوں کہ جب اضطرار کی حالت میں خدا تعالیٰ نے قطعی حرام چیزیں مباح کر دیں تو دوا حرام اگر اس میں شفاء منحصر ہو اور بجز اس کے اور کوئی دوا واسطے بقاء جان کے میسر نہ ہو کیوں مباح نہ ہو گی ہاں اگر علمائے مطلق علاج حرام دوا کے ساتھ جائز کرتے تو البتہ قابل اعتراض ہوتا۔ مگر وہ تو بار بار یہی کہتے ہیں کہ اگر اسی میں شفاء منحصر ہے۔ اور بجز اس کے اور کوئی دوا نہیں تب جائز ہے۔ چنانچہ شامی و در مختار میں سوال بالا کی رو سے ظاہر ہے۔ پس جب غیر مقلدین کے نزدیک ایسے ایسے مسائل جو اوپر مذکور ہوئے جائز ہیں تو حنفی مذہب کو بدنام کرنے کے لیے اپنے اوپر سے رفع اعتراض کرنا چاہتے ہیں۔ اسے رفع اعتراض نہیں ہو سکتے حنفی مذہب ہمیشہ سے بے عیب لگا آیا ہے جس میں ہزار ہا اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ جن کا یہی مذہب رہا ہے اور وہ مقلد بھی ہوئے ہیں۔

سوال نمبر ۲۴:

معتبر کتب فقہ غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار چھاپہ نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۲۴۰ میں اور فتح القدیر مطبوعہ مطبع نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۲۳۹ میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنی منکوحہ عورت سے برس بھر کی راہ کے فاصلے پر دور رہتا ہے۔ اور دونوں زن و مرد مشرق و مغرب (یعنی بعد) کے سبب یک جا نہ ہو سکیں اور اس کی عورت چھ مہینہ میں بچہ جن لے تو یہ خیال کر لیا جائے گا کہ اس شخص نے کرامت کے ساتھ اپنی عورت سے وطی کی ہو گی یا جن اس کے تابع ہو گا اس کے ذریعہ سے وطی کی ہو گی۔ پس وہ لڑکا مولود ثابت النسب ہے۔

جواب:

یہ امر کوئی مذہب حنفی سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ اور نہ کوئی روایت مفتی بہ اس پر قائم ہوئی ہے۔ اگر وہ لڑکا ثابت النسب ہو یا نہ ہوا سے مذہب حنفی پر کیا اعتراض آ سکتا ہے۔ اور کوئی واقعہ اس قسم کا کسی کتاب میں دیکھا نہیں گیا۔ اگر کوئی ایسا واقعہ وقوع میں آیا ہے تو آپ ثابت کریں تب مفصل جواب دیا جائے گا۔ اگر شاذ و نادر کوئی وقوعہ ہوا بھی تو ایسا واقعہ شاذ کے حکم میں والشاذ کالمعدوم۔ باوجود اس کے جو لوگ اولیاء اللہ کی کرامت کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس مولود کی ثابت النسب اور صحیح النسب ہونے میں کچھ شک ہی نہیں۔ اگر غیر مقلدین اس بات کو نہ مانتے ہوں تو نہ مانیں۔

سوال نمبر ۲۵:

عینی شرح ہدایہ چھاپہ نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۶۷۸ میں لکھا ہے کہ اگر وطی کرے اپنے غلام سے دبر میں یا لونڈی کی دبر میں یا اپنی عورت منکوحہ کی دبر میں تو نہیں ہے حد اس پر اور اس میں اختلاف نہیں ہے۔ پس وطی کرنا عورت و مرد کی دبر میں مذہب حنفیہ میں حلال ہے۔

جواب:

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ لعنة الله علی الکاذبین حنفیوں کی کسی کتاب

میں ایسا نہیں لکھا ہے یہ صرف بہتان ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ وروی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ملعون۔ ملعون ملعون من عمل عمل قوم لوط الی آخر الحدیث۔ دیکھو کتاب ریاض الناصحین صفحہ ۳۳۵ فصل ششم اور نیز حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا۔ دیکھو تحفہ اثناء عشریہ صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ نولکشور۔ حد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کام جائز ہے یا یہ کہ یہ گناہ کی بات نہیں یا اس پر کسی قسم کی سزا ہی نہیں ایسا ہرگز نہیں فقہ حنفی میں ایسے مجرم کو سخت سے سخت سزا دینی چاہیے یعنی تعزیر کرنی چاہیے اس میں اختلاف نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کو سزا نہ دی جائے یہ صریح بہتان مذہب حنفی پر ہے کہ عبارت کے مطلب کو صریحاً اولٹا دیا۔ اور نتیجہ وہی نکال دیا کہ مذہب حنفی میں وطی فی الدبر جائز ہے بھلا آپ یہ تو ثابت کریں کہ آخیر کا فقرہ جو آپ نے نتیجہ کے طور پر لکھا ہے۔ کون سی حنفی مذہب کی کتاب میں لکھا ہے کہ مخالف کو چاہیے کہ صاف صاف عدم حکم سزا کا ثابت کرے اگر ثابت نہ کرو گے تو دروغ گو اور مفتری کہلاؤ گے اور آیت مذکورہ کے تحت میں آؤ گے ساری عبارت اس کتاب کی اچھی طرح سے پڑھو اور لاتقربوا الصلاۃ پر عمل نہ کرو۔ اور مقدم اور موخر عبارتوں کا بھی خیال کرلیں تا کہ پھر دوبارہ دھوکہ میں آنہ آویں ورنہ اہل دین کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم وجعلنا منھم واخذل من اعرض من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم وصلی اللہ تعالٰی علی رسول خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

اونٹ کی قربانی

اونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت

ایک تحقیق، ایک جائزہ

اس سال سن ۱۴۲۹ھ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر گوجرانوالہ شہر کے غیر مقلدین نے اس مسئلہ پر کافی زور دیا ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس افراد کا شریک ہونا سنت ہے۔ وہ اپنی اس بات کو ثابت کرنے کیلئے جو حدیث پیش کرتے ہیں ہم اس کو یہاں پر نقل کر کے اس کا جواب عرض کرتے ہیں ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا ھدبۃ بن عبدالوھاب انبا الفضل بن موسٰی انبا الحسین بن واقد عن علیآء بن احمر عن عکرمہ عن ابن عباس قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر الاضحی فاشتر کنا فی الجزور عن عشرۃ والبقرۃ عن سبعتہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ عیدالاضحیٰ کا دن آگیا تو ہم نے اونٹ میں دس حصے اور گائے میں سات حصے کیے۔

(سنن ابن ماجہ، باب: عَنْ کَمْ تُجْزِیُٔ الْبُدْنَۃُ وَالْبَقَرَۃُ، حدیث:۹۱۷)

اس حدیث کے کئی جوابات ہیں:

جواب نمبر ①:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی فضل بن موسیٰ ہے جو کہ ٹھیک نہیں ہے۔ علامہ ذہبی (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۶۰) میں نقل کرتے ہیں یروی عن صغار التابعین ما علمت فیہ لیناً الا ما روی عبداللہ بن علی المدینی، سمعت ابی و سئل بن ابی تمیلۃ والسینانی فقدم ابا تمیلۃ وقال روی الفضل احادیث مناکیر۔

وہ چھوٹے تابعین سے روایت کرتے ہیں میں اس کے بارے میں نہیں جانتا مگر وہ جو عبداللہ بن علی المدینی روایت کرے، میں نے اپنے والد سے سنا کہ ان سے ابوتمیلہ اور سینانی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ابوتمیلہ کو مقدم گردانا اور کہا کے فضل نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نقل کرتے ہیں:

قال عبداللہ بن علی بن المدینی سالت ابی عن حدیث الفضل بن موسیٰ عن معمر عن ابن طاؤس عن ابیه عن ابن الزبیر قال قال رسول اللہ ﷺ من شهر سیفه فرمه هدء فقال منکر ضعیف وقال عبداللہ ایضا سالت ابی عن الفضل وابی تمیلة فقدم ابا تمیلة وقال روی الفضل منا کیر۔

(تهذیب التهذیب، ج۸ ص۲۸۷)

عبداللہ بن علی بن المدینی نے کیا کہ میں نے اپنے والد سے فضل بن موسیٰ عن معمر والی حدیث کے بارے میں پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ منکر اور ضعیف اور عبداللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے فضل اور ابوتمیلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ابوتمیلہ کو مقدم گردانا اور فرمایا کے فضل نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔

جواب نمبر ②:

اس حدیث کی سند میں دوسرا راوی حسین بن واقد ہے جو ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی اور غیر مقلدین کے نزدیک مدلس کا عن سے روایت کرنا قابل قبول نہیں۔

① حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں ثقة له اوهام
ثقہ ہے مگر وہمی ہے (تقریب ۱۳۵۸)

② علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: "استنکر احمد بعض حدیثه"
امام احمد نے اس کی بعض احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔

(المغنی فی الضعفاء ج اص ۲۶۹)

③ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

قال عبداللہ بن احمد عن ابیه ما انکر حدیث حسین بن واقد عن ابی المنیب وقال العقیلی انکر احمد بن حنبل حدیثه۔

عبداللہ بن احمد اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حسین بن واقد کی حدیث کا انکار کیا ہے

اور عقیلی نے فرمایا ہے کہ احمد بن حنبل نے اس کی حدیث کا انکار فرمایا ہے۔

(تهذیب ج ۲ ص ۳۷٤)

④ امام ابن حبان فرماتے ہیں:

"ربما اخطاء فی الروایات" "بسا اوقات وہ روایات میں خطا کر جاتا ہے"

(تهذیب ج۲ ص۳۷٤)

⑤ **قال الاثرم قال احمد فی احادیث زیادة ما ادری ایی شیئی هی ونقض یده۔** (تهذیب ج۲ ص۳۷٤)

"امام اثرم نے کہا ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اس کی احادیث میں زیادتی ہوتی ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کونسی چیز ہے۔ اور امام احمد نے اپنے ہاتھ کو مارا"

⑥ **قالا الساجی فیه نظر وهو صدوق یعم** (تهذیب ج۲ ص ۳۷٤)

امام ساجی فرماتے ہیں اس میں نظر ہے اور وہ سچے ہیں البتہ اس پر تہمت ہے۔

⑦ ایک روایت میں ہے کہ **حدثنا احمد بن احرمه بن خزیمه قال سمعت احمد بن حنبل وقیل له فی حدیث ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ فی الملبقته فانکره ابو عبداللہ وقال من ردی هذا قیل له الحسین بن واقد فقال بیده وحرك داسه کانه لم یرضه** (کتاب الضعفاء الکبیر ج ا ص ۲۵۱)

احمد بن احرمہ بن خزیمہ نے فرمایا میں نے احمد بن حنبل سے سنا کہ ان سے پوچھا گیا ایوب عن نافع عن ابن عمر کی حدیث میں تو ابوعبداللہ نے انکار کیا اور پوچھا کے اس کو کس

نے روایت کیا ہے۔ تو کہا گیا ''حسین بن واقد'' نے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے سر کو ہلایا گویا کے انھوں نے عدم رضا مندی کا اظہار کیا۔

⑧ اور ایک روایت میں ہے کہ **حدثنی الخضر بن داؤد قال حدثنا احمد بن محمد قال ذكر ابو عبد الله حسين بن واقد فقال: واحاديث حسين ما ارى ابى شئ ء هى ونقض يده** (كتاب الضعفاء الكبير ج اص ٢٥١)

خضر بن داؤد نے مجھے کہا کہ ہمیں احمد بن محمد نے بتایا کہ ابوعبداللہ حسین بن واقد کا ذکر کیا اور کہا کے حسین کی احادیث میں مَیں خیال نہیں کرتا کے وہ کیا ہے اور اپنے ہاتھ کو مارا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدوں کا اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

جواب نمبر ③:

صحیح مسلم میں ایک قولی حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

حدثنا يحيى بن يحيى اخبرنا ابو خيثمة عن ابى الزبير عن جابر ح و حدثنا احمد بن يونس حدثنا زهير حدثنا ابو الزبير عن جابر رضی اللہ عنہ **قال خرجنا مع رسول الله ﷺ مهللين بالحج فامرنا رسول الله ﷺ ان نشترك في الابل والبقر كل سبعة منا في بدنة۔**

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کا تلبیہ کہتے ہوئے گئے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں'' **مسلم باب جواز الاشتراك فى الهدى**

اب یہاں پر قول اور فعل کے درمیان تعارض آ گیا اور اصولیین کے نزدیک جب قولی اور فعلی حدیث کے درمیان تعارض آ جائے تو ترجیح قول کو ہوتی ہے جیسا کہ علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ

''**تعارض القول و ا لفعل والصحيح حينئذ عند الاصوليين ترجيح القول**''

(نووی شرح مسلم ج ا ص ٤٥٣)

جب قول اور فعل کا تعارض ہو تو اصولیین کے ہاں صحیح بات یہ ہے کہ ترجیح ''قول'' کو دی جاتی ہے۔

جواب نمبر ④:

تعجب ہے کہ غیر مقلدوں پر کہ ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے اقوال اور افعال حجت نہیں لیکن پھر بھی وہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ضعیف اثر دلیل بناتے ہیں

اور اس سے بڑھ کر تعجب اس بات پر ہے کہ جب حج کے دوران کسی پر دم لازم آ جائے اور وہ اونٹ کی قربانی کرے تو سات حصے مانتے ہیں اور قربانی کے اونٹ کے دس حصے مانتے ہیں۔

جواب نمبر ⑤:

یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کے ناسخ وہ احادیث ہیں جسمیں سات آدمیوں کی صراحت ہے مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **نحرنا مع رسول الله ﷺ بالحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة۔** (ترمزی ص ١٨٠ ج ١)

یعنی ہم نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے علمائے صحابہ وغیرہم کا اور یہی قول ہے سفیان ثوری اور ابن مبارک کا اور شافعی اور احمد (کا)۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں ج ا ص ٥٦٥)

حدیث نمبر ۲: **حدثنى محمد بن حاتم حدثنا وكيع حدثنا عزرة بن ثابت عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَجَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَنَحَرْنَا الْبَعِيْرَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔**

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا،

سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کو نحر کیا اور سات آدمیوں کی طرف سے ہی گائے کی قربانی کی۔ (مسلم شریف، باب: جواز الاشتراک فی الھدی)

حدیث نمبر۳: حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُو الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ اشْتَرَکْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِی الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ کُلُّ سَبْعَةٍ فِیْ بَدَنَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ لِّجَابِرٍ ؓ اَیُشْتَرَکُ فِی الْبَدَنَةِ مَا یُشْتَرَکُ فِی الْجَزُوْرِ قَالَ مَا هِیَ اِلَّا مِنَ الْبُدْنِ وَحَضَرَ جَابِرٌ حُدَیْبِیَةَ قَالَ نَحَرْنَا یَوْمَئِذٍ سَبْعِیْنَ بَدَنَةً اشْتَرَکْنَا کُلُّ سَبْعَةٍ فِیْ بَدَنَةٍ۔

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور سات سات آدمی ایک قربانی میں شریک ہو گئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت جابر سے دریافت کیا کہ جس طرح قربانی کے اونٹ میں شریک ہو سکتے ہیں کیا اسی طرح بعد کے خریدے ہوئے اونٹ میں بھی شرکت جائز ہے۔ انہوں نے کہا پہلے سے اور بعد میں خریدے ہوئے دونوں اونٹوں کا حکم ایک ہے، حضرت جابر حدیبیہ میں موجود تھے، حضرت جابر نے کہا کہ ہم نے ستر اونٹ ذبح کیے اور ہر اونٹ میں سات آدمی شریک تھے۔
(مسلم شریف باب اشتراک فی الھدی)

فتاویٰ علمائے حدیث کا حوالہ

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۵۰، ج ۱۳ میں ہے صحیح بخاری و مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے امرنا رسول اللہ ﷺ ان نشترک فی الابل والبـ ة منا فی بدنة "ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے ہر بدنة میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔

جواب نمبر ⑥:

اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ یہ روایت ثابت ہے تو اس سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی

ہے کہ بعض صحابہ نے ایسا کیا۔ یہ صحابہ کرام ؓ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کیا جیسے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کے برابر دس بکریاں کو شمار کیا تو انہوں نے ایک اونٹ کو قربانی میں دس بکریوں کے قائم مقام بنایا۔ لہٰذا یہ ان کا اجتہاد تھا۔ اس کے مقابل میں ہمارے پاس مرفوع حدیث ہے۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں موقوف اجتہاد قبول نہیں ہو سکتا۔

جواب نمبر ⑦:

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اور حدیث ابن عباس ؓ کی حسن ہے غریب ہے۔ نہیں پہچانتے ہم اس کو مگر فضل بن موسیٰ کی روایت سے۔
(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج ۱ ص ۵۶۵)

جواب نمبر ⑧:

یہ سفر کا واقعہ ہے اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اگر وہ کچھ بھی نہ کرتے تو ان پر کچھ گناہ نہ تھا اسی طرح اگر وہ دس میں شریک ہوں تو بھی ان پر کچھ الزام نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابو حنیفہؒ اور قرآن وسنت

سوال نمبر ۱:

''بخاری شریف اور احادیث کی دوسری کتابیں پڑھتے ہوئے بعض اوقات ایسے اشارات ملتے ہیں کہ گویا امام ابو حنیفہؒ قرآن وسنت کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے؟

(ایک جج)

جواب:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اسلامی قانون کے پہلے مدون تھے۔ جس طرح قرآن کریم ان کی نظروں میں تھا' اسی طرح احادیث کا پورا ریکارڈ بھی ان کے سامنے تھا مگر دفاتر کی شکل میں تھا۔ اس لیے کہ اسلامی قانون کے اولین ماخذ قرآن وسنت ہی تھے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ اسلامی قانون کی تدوین قرآن وسنت کے بالمقابل کرتے۔ حقیقتاً قرآن وسنت کے نصوص پر ہی تدوین ہوئی۔ البتہ فہم نصوص میں اختلاف ضرور رہا۔ فقہاء وہ طبقہ تھا جو قرآن وسنت سے قوانین اخذ کرتا تھا۔ محدثین وہ لوگ تھے جنہوں نے قرآن کے ساتھ سنت کی صحیح نصوص کی تنقیح کی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک فریق نے لکڑی فراہم کی اور دوسرے نے اس سے فرنیچر تیار کیا۔

امام ابو حنیفہؒ کے دور ہی میں اسلامی قانون کے اصول وکلیات بھی منقح ہوئے تھے۔ چلتے چلتے یہ اصول وکلیات ایک فن بن گئے اور ہم تک اس فن کی جو پہلی کتاب پہنچی ہے وہ امام ابوالحسن کرخی بغدادی (۲۶۰ھ۔۳۴۰) کا رسالہ اصولِ کرخی ہے۔ امام کرخی ابن ماجہ' ابوداؤد' ترمذی' دارمی' بزاز' نسائی جیسے محدثین کے ہم عصر تھے۔ امام کرخی نے جو ۳۹' اصول جمع کیے ان میں سے ۲۸واں اصول یہ ہے:

﴿الاصل ان كل آية تخالف قول اصحابنا فانها تحمل على النسخ او على الترجيح او على التاويل من جهة التوفيق﴾ (یعنی اصول یہ ہے کہ جو آیت ہمارے ساتھیوں کے قول کے خلاف ہو تو اسے نسخ یا ترجیح یا تاویل پر' از روئے توفیق محمول کیا جائے گا)۔

اس اصول کی یہ تشریح کہ احناف قرآن وسنت کے خلاف ہیں اور اپنے اقوال کو قرآن سنت سے برتر سمجھتے ہیں یا قرآن وسنت کے مقابلے میں اپنے قول یا اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں' احناف کے مستند مسلک اور تصریحات اور توجیحات کے خلاف ہے۔ لیکن اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور محدثین اس کو دوہراتے چلے گئے اور انہوں نے احناف کا لقب ہی اہل الرائے بنا دیا۔ حالانکہ مقصد یہ تھا کہ بعض اوقات ہمارے اصحاب کا قول جو قرآن سنت کے خلاف نظر آتا ہے وہ نص یا منسوخ ہوتی ہے یا اس کے مقابلے میں دوسری نص کو ترجیح دی گئی ہوتی ہے یا مختلف دلائل کے درمیان تطبیق کی گئی ہوتی ہے اور یہ کام تمام محدثین اور فقہاء کرتے ہیں۔

باوجود اس کے کہ اسلامی شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ تاویل القول بما لا يرضى به قائله باطل (کسی کے قول کا یہ معنی لینا کہ اس کا قائل وہ معنی نہ لیتا ہو' جائز نہیں ہے) مگر محدثین اور مخالفین ایک عرصہ تک حنفی فقہاء پر یہ الزام لگاتے رہے اور حدیث کی بنیادی کتابوں میں اس کی تصریح ہونے کی وجہ سے یہ الزام قیامت تک کے لیے ریکارڈ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ تمام سلف صالحین کو معاف کرے اور انہیں جنت میں جگہ دے

اوراب بہر حال احناف کے بارے میں کوئی بھی یہ الزام نہیں لگاتا۔

فقہی اختلافات میں ترجیح وتوفیق کا عمل بہر حال جاری رہتا ہے۔لیکن ہمارے دور میں اگر ایک طرف ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کے درمیان اختلاف کی شدت کم ہوگئی ہے اوراس میں مواصلات کی ترقی اور حج کے موقع پر زیادہ انٹرا یکشن کا دخل ہے لیکن دوسری جانب سے بعض ممالک، کی طرف سے سلفیت کی پر جوش تبلیغ کرنے والے لوگوں کو وافر مالی امداد دی جاتی ہے۔ یہ لوگ آج کل افغانستان پہنچے ہوئے ہیں جہاں لوگوں کی اکثریت حنفی ہے۔اگر سب کو سلفی بنا دیا جائے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔لیکن وہاں سلفیت اور حنفیت کی کشمکش پیدا کرنے سے امارت اسلامیہ کمزور ہوگی۔

بہر حال سلفیت وحنفیت کی کشمکش بھی وہی کشمکش ہے جو محدثین اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان رہی۔ علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اس معاملے میں اعتدال، رواداری، اور بردباری کا مظاہرہ کیا جائے۔